U 11625 19-12-08

Title - DEEWAN GHALIB (1319 H)

Creator - Murattib Agha Mohd. Tahir.

Publisher - Azad Book Dipo (Delhi).

Date - 1936

Pages - 72

Subjects - Ghalib - Dawaween ; Dawaween - Ghalib.

بعون صناع مسکین نواز وفضل خلاق زمین و زمان

این در شاہوار اشعار آبدار از تصنیف لطیف مرزا اسد اللہ خان غالب

دیوان غالب

از اہتمام عاجز شیخ غفور بخش مالک مطبع ابو العلائی آگرہ بازار سیپ

مطبع ابو العلائی آگرہ میں چھپا

بسم الله الرحمن الرحیم

هنجار فهم و آشنایان اخلاط و دهان و انجمن نشینان اشاره را که لختی از سامان مجموعه گردانی آماده و دل ملی از... و
...ی دست بهم داده است نه چو بهای سنگ ره خورده بهنجار ناطبیعی شکسته و اندام تراشیده بلکه بدیش شگافته
پیکانها بیرون کرده لیبوهات خراشیده ایدون نفس گداختگی شوق بجستجوی آتش پارسی سینه آتشی که در
گلخنهای سینه افسرده و خاموش ماند آرزوی خاکستر برگ خودش سیه پوشی چه بود مسلم است از ناپاکی
باستخوان مرده ناپاک شکستن جوانه زندگی پژمرده شمع هر انگشته آرکیدن آزینه سبل که خفتن نیز بود بسر افروختن
ز آتش بریخ آتش به صنع برافروزنده و آتش پرست را باد افراد هم در آتش سوزنده سنگ سیه اند کز شرر پدید
و پیداست آن رخشنده آفرینش و در آتش است که بچشم روشنی سوختنگ از سنگ بیرون تافته و در ایوان بهار سب
شنود نمایان قسمی فتوح است و لاله رانگ صبح را چشم و کله را چراغ بخشنده پیدا اندرون سخن برافروز تا سیاه هم
بشراری از آن آتش تابناک بخاکستر خویش یافته بکاوکاو سینه شتافتم و از نفس رو به بیان بر نهاده بود که دو
زدکی طبع و روزگاران مایه فراهم تواند آمد که چهره افروز شناسایی چراغ بود انجمن و ... شناسایی دماغ تواند بخشید ما
نگارنده این نامه را آن در سر است که پس از انتخاب دیوان ریخته گرد آوردن سرمایه دیوان فارسی برخیزد و با
... این مهر پیوندی لب بآوای خویشتن نشنید امید که سخن سرایان سخنوستانی پراگنده ابیاتی که جا جا ازین
دیوان یابند در آثار سرایش رگ کلک این نامه سیاه نشناسد و جامه گرد آورده را در ستایش و نکوهش آن اشعار ممنون خود
شناسند ... بیابین ... هستی نا شنیده از هستی به پیدایی نارسیده یعنی نقش بضمیر آینده نقاش که اسد الله خان
موسوم به میرزا نوشه معروف به غالب المتخلص چنانکه اکبرآبادی مولد و دهلوی مسکن است فرجام کار نجفی مدفن

غزلیات

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

کاو کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

آگہی دامِ شنیدن جسقدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیرپا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

جراحت تحفہ الماس ارمغاں داغِ جگر ہدیہ
مبارکباد اسد غمخوارِ جانِ دردمند آیا

دیگر

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
صحرا مگر بہ تنگیِ چشمِ حسود تھا

آشفتگی نے نقشِ سویدا کیا درست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

لیتا ہوں مکتبِ غمِ دل میں سبق ہنوز
لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد
سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

کہتے ہو نہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے مدعا پایا

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

دوستدارِ دشمن ہے اعتمادِ دل معلوم
آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا

سادگی و پرکاری بیخودی و ہشیاری
حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل
خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا

[illegible]

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا
آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا
میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا

عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

دل نہیں تجھکو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار
اس چراغاں کا کروں کیا کارفرما جل گیا

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی یارب
تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشاں نکلا

بوئے گل نالۂ دل دود چراغ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

دل حسرت زدہ تھا مائدۂ لذت درد
کام یاروں کا بقدر لب و دنداں نکلا

ہے نو آموز فنا ہمت دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

دل میں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

دھمکی میں مر گیا جو نہ باب نبرد تھا
عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

دل تا جگر کہ ساحل دریائے خوں ہے اب
اس رہگذر میں جلوۂ گل آگے گرد تھا

جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہ عشق کی
دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا

احباب چارہ سازی وحشت نہ کر سکے
زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

یہ لاش بے کفن اسد خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا
تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا

بفیض بیدلی نومیدی جاوید آساں ہے
کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

ہوائے سیر گل آئینۂ بے مہری قاتل
کہ انداز بخوں غلطیدن بسمل پسند آیا

دہر میں نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

سبزۂ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دبا
یہ زمرد بھی حریف دم افعی نہ ہوا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

دل گذرگاہ خیال مے و ساغر ہی سہی
گر نفس جادۂ سر منزل تقوی نہ ہوا

ہوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی
گوش منت کش گلبانگ تسلی نہ ہوا

کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجیے
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

مر گیا صدمۂ یک جنبش لب سے غالب
ناتوانی سے حریف دم عیسی نہ ہوا

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغ رضواں کا
وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاق نسیاں کا

سیہ

بیاں کیا کیجیے بیداد کاوش ہائے مژگاں کا
کہ ہر اک قطرۂ خوں دانہ ہے تسبیح مرجاں کا

نہ آئی سطوت قاتل بھی مانع میرے نالوں کو
لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا

دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغاں کا

کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے
کرے جو پرتو خورشید عالم شبنمستان کا

میری تعمیر مین مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقان کا

اگا ہے گھر مین ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر
مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے دربان کا

خموشی مین نہان خون گشتہ لاکھون آرزوئین ہین
چراغ مردہ ہون مین بے زبان گور غریبان کا

ہنوز اک پرتو نقش خیال یار باقی ہے
دل افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زندان کا

بغل مین غیر کی آج آپ سوتے ہین کہین ورنہ
سبب کیا خواب مین آ کر تبسمہای پنہان کا

نہین معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگان کا

نظر مین ہے ہماری جادۂ راہ فنا غالب
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزاے پریشان کا

نہ ہوگا یک بیابان ماندگی سے ذوق کم میرا
حباب موجۂ رفتار ہے نقش قدم میرا

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بیدماغی ہے
کہ موج بوے گل سے ناک مین آتا ہے دم میرا

سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی
عبادت برق کی کرتا ہون اور افسوس حاصل کا

بقدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی
جو تو دریاے مے ہے تو مین خمیازہ ہون ساحل کا

محرم نہین ہے تو ہی نواہاے راز کا
یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

رنگ شکستہ صبح بہار نظارہ ہے
یہ وقت ہے شگفتن گلہاے ناز کا

تو اور سوے غیر نظرہاے تیز تیز
مین اور دکھ تری مژہہاے دراز کا

صرفہ ہے ضبط آہ مین میرا وگرنہ مین
طعمہ ہون ایک ہی نفس جانگداز کا

ہین بسکہ جوش بادہ سے شیشے اچھل رہے
ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا

کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز
ناخن پہ قرض اس گرہ نیمباز کا

تاراج کاوش غم ہجران ہوا اسد
سینہ کہ تھا دفینہ گہرہاے راز کا

بزم شاہنشاہ مین اشعار کا دفتر کھلا
رکھیو یارب یہ در گنجینۂ گوہر کھلا

شب ہوئی پھر انجم رخشندہ کا منظر کھلا
اس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا در کھلا

گرچہ ہون دیوانہ پر کیون دوست کا کھاؤن فریب
آستین مین دشنہ پنہان ہاتھ مین نشتر کھلا

گو نہ سمجھون اس کی باتین گو نہ پاؤن اس کا بھید
پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا

ہے خیال حسن مین حسن عمل کا سا خیال
خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا

منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہین
زلف سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے منہ پر کھلا

در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا
جتنے عرصے مین مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

کیون اندھیری ہے شب غم ہے بلاؤن کا نزول
آج اودھر ہی کو رہیگا دیدۂ اختر کھلا

کیا رہون غربت مین خوش جب ہو حوادث کا یہ حال
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

اوسکی امت مین ہون مین میرے رہین کیون کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا

شب کہ برق سوز دل سے زہرۂ ابر آب تھا
شعلۂ جوالہ ہر اک حلقۂ گرداب تھا

وان کرم کو عذر بارش تھا عنان گیر خرام
گریہ سے یان پنبۂ بالش کف سیلاب تھا

وان خود آرائی کو تھا موتی پرونیکا خیال
یان ہجوم اشک مین تار نگہ نایاب تھا

جلوۂ گل نے کیا تھا وان چراغان آبجو
یان روان مژگان چشم تر سے خون ناب تھا

یان سر پر شور بیخوابی سے تھا دیوار جو
وان وہ فرق ناز محو بالش کمخواب تھا

یان نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بیخودی
جلوۂ گل وان بساط صحبت احباب تھا

فرش سے تا عرش وان طوفان تھا موج رنگ کا
یان زمین سے آسمان تک سوختن کا باب تھا

ناگہان اس رنگ سے خونابہ ٹپکانے لگا
دل کہ ذوق کاوش ناخن سے لذت یاب تھا

نالۂ دل مین شب انداز اثر نایاب تھا
تھا سپند بزم وصل غیر گو بیتاب تھا

مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے
خانۂ عاشق مگر ساز صدائے آب تھا

نازش ایام خاکستر نشینی کیا کہون
پہلوے اندیشہ وقف بستر سنجاب تھا

کچھ نہ کی اپنے جنون نارسا نے ورنہ یان
ذرہ ذرہ روکش خورشید عالمتاب تھا

آج کیون پروا نہین اپنے اسیرونکی تجھے
کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا

یاد کر وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا
انتظار صید مین اک دیدۂ بیخواب تھا

مین نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے
اسکے سیل گریہ مین گردون کف سیلاب تھا

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب
خون جگر ودیعت مژگان یار تھا

اب مین ہون اور ماتم یک شہر آرزو
توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا

گلیون مین میری نعش کو کھینچے پھرو کہ مین
جان دادۂ ہوائے سر رہگذار تھا

موج سراب دشت وفا کا نہ پوچھ حال
ہر ذرہ مثل جوہر تیغ آبدار تھا

٦

کم جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پہ اب
دیکھا تو کم ہوئے پہ غم روزگار تھا

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا
آدمی کو بھی میسر نہین انسان ہونا

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیابان ہونا

وائے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھکو
آپ جانا اودھر اور آپ ہی حیران ہونا

جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
جوہر آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

لے گئے خاک مین ہم داغ تمنائے نشاط
تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستان ہونا

عشرت پارۂ دل زخم تمنا کہانا
لذت ریش جگر غرق نمکدان ہونا

کی مرے قتل کے بعد اوسنے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

حیف اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جسکی قسمت مین ہو عاشق کا گریبان ہونا

شب خمار شوق ساقی رستخیز اندازہ تہا
تا محیط بادہ صورت خانۂ خمیازہ تہا

یک قدم وحشت سے درس دفتر امکان کہلا
جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تہا

مانع وحشت خرامیہائے لیلے کون ہے
خانۂ مجنون صحرا گرد بے دروازہ تہا

پوچھ مت رسوائی انداز استغنائے حسن
دست مرہون حنا رخسار رہن غازہ تہا

نالۂ دل نے دئے اوراق لخت دل بباد
یادگار نالہ اک دیوان بے شیرازہ تہا

دوست غمخواری مین میری سعی فرماوینگے کیا
زخم کے بہرنے تلک ناخن نہ بڑہ جاوینگے کیا

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک
ہم کہینگے حال دل اور آپ فرماوینگے کیا

حضرت ناصح گر آوین دیدہ و دل فرش راہ
کوئی مجہکو یہ تو سمجہا دو کہ سمجہاوینگے کیا

آج وان تیغ و کفن باندہے ہوئے جاتا ہون مین
عذر میرے قتل کرنے مین وہ اب لاوینگے کیا

گر کیا ناصح نے ہمکو قید اچہا یون سہی
یہ جنون عشق کے انداز چہٹ جاوینگے کیا

خانہ زاد زلف ہین زنجیر سے بہاگینگے کیون
ہین گرفتار وفا زندان سے گہبراوینگے کیا

ہے اب اس معمورہ مین قحط غم الفت اسد
ہمنے یہ مانا کہ دلی مین رہین کہاوینگے کیا

ترے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جہوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

تری نازکی سے جانا کہ بندہا تہا عہد بودا
کبہی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچہے ترے تیر نیمکش کو
یہ خلش کہان سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

یہ کہان کی دوستی ہے کہ بنے ہین دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پہر نہ تہمتا
جسے غم سمجہ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

غم اگرچہ جان گسل ہے پہ کہان بچین کہ دل ہے
غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

کہون کس سے مین کہ کیا ہے شب غم بری بلا ہے
مجہے کیا برا تہا مرنا اگر ایک بار ہوتا

ہوئے مرکے ہم جو رسوا ہوئے کیون نہ غرق دریا
نہ کبہی جنازہ اوٹہتا نہ کہین مزار ہوتا

اوسے کون دیکہ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بہی ہوتی تو کہین دوچار ہوتا

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجہے ہم ولی سمجہتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا ۔ نہ ہو مرنا تو جینے کا مزہ کیا
تجاہل پیشگی سے مدعا کیا ۔ کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا
نوازش ہائے بیجا دیکھتا ہوں ۔ شکایت ہائے رنگیں کا گلا کیا
نگاہ بے محابا چاہتا ہوں ۔ تغافل ہائے تمکیں آزما کیا
فروغ شعلۂ خس یک نفس ہے ۔ ہوس کو پاس ناموس وفا کیا
نفس موج محیط بیخودی ہے ۔ تغافل ہائے ساقی کا گلا کیا
دماغ عطر پیراہن نہیں ہے ۔ غم آوارگی ہائے صبا کیا
دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر ۔ ہم اوس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
محابا کیا ہے میں ضامن ادھر دیکھ ۔ شہیدان نگہ کا خوں بہا کیا
کیا کس نے جگرداری کا دعوی ۔ شکیب خاطر عاشق بھلا کیا
سن اے غارتگر جنس وفا سن ۔ شکست قیمت دل کی صدا کیا
یہ قاتل وعدہ صبر آزما کیوں ۔ یہ کافر فتنۂ طاقت ربا کیا

بلائے جاں ہے غالب اوسکی ہر بات
عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا

درخور قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا ۔ پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود بیں ہیں کہ ہم ۔ الٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا
سب کو مقبول ہے دعوی تری یکتائی کا ۔ روبرو کوئی بت آئینہ سیما نہ ہوا
کم نہیں نازش ہمنامی چشم خوباں ۔ تیرا بیمار برا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا
سینے کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا ۔ خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا

[illegible]

۶

[illegible]

تمنائے زباں محوِ سپاسِ بے زبانی ہے
مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

وہی اک بات ہے جو یاں نفس واں نکہتِ گل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

دہانِ ہر بتِ پیغارہ جو زنجیرِ رسوائی
عدم تک بے وفا چرچا ہے تیری بے وفائی کا

نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستمہائے جدائی کا

گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائیگا
بے تکلف داغِ مہ مہرِ دہاں ہو جائیگا

زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آب
پرتوِ مہتاب سیلِ خانماں ہو جائیگا

لے تو لوں سوتے میں اسکے پاؤں کا بوسہ مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائیگا

دل کو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا
یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائیگا

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائیگا

گر نگاہِ گرم فرماتی رہی تعلیمِ ضبط
شعلہ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہو جائیگا

باغ میں مجھکو نہ لیجا ورنہ میرے حال پر
ہر گلِ تر ایک چشمِ خوں فشاں ہو جائیگا

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائیگا

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسدؔ
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

درد منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

ہے خبر گرم انکے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

زخم گر دب گیا لہو نہ تھما
کام گر رک گیا روا نہ ہوا

رہزنی ہے کہ دلستانی ہے
لے کے دل دلستاں روانہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالبؔ غزل سرا نہ ہوا

۹

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگیِ جا کا
گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی
دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا

غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا

ہنوز محرمیِ حسن کو ترستا ہوں
کرے ہے ہر بنِ مو کام چشمِ بینا کا

دل اوسکو تو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے
ہمین دماغ کہان حسن کے تقاضا کا

نہ کہہ کہ گریہ بمقدار حسرت دل ہے
میری نگاہ مین ہے جمع و خرچ دریا کا

فلک کو دیکھہ کے کرتا ہون اوسکو یاد اسد
جفا مین اوسکی ہے انداز کار فرما کا

قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا
خط جام مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

اعتبار عشق کی خانہ خرابی دیکھنا
غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھہ پر ہوا

مطلع

جب بتقریب سفر یار نے محمل باندھا
تپش شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا

اہل بینش نے بحیرتکدۂ شوخی ناز
جوہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا

یاس و امید نے یک عربدہ میدان مانگا
عجز ہمت نے طلسم دل سائل باندھا

نہ بندھے تشنگی ذوق کے مضمون غالب
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

مین اور بزم مے سے یون تشنہ کام آؤن
گر مین نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

ہے ایک تیر جسمین دونون چھدے پڑے ہین
وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا

درماندگی مین غالب کچھہ بن پڑے تو جانون
جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویران ہوتا
بحر گر بحر نہ ہوتا تو بیابان ہوتا

تنگی دل کا گلہ کیا یہ وہ کافر دل ہے
کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشان ہوتا

بعد یک عمر ورع بار تو دیتا بارے
کاش رضوان ہی در یار کا دربان ہوتا

نہ تھا کچھہ تو خدا تھا کچھہ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھکو ہونے نے نہ ہوتا مین تو کیا ہوتا

ہوا جب غم سے یون بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا
نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یون ہوتا تو کیا ہوتا

یک ذرۂ زمین نہین بیکار باغ کا
یان جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا

بے مے کسے ہے طاقت آشوب آگہی
کھینچا ہے عجز حوصلہ نے خط ایاغ کا

بلبل کے کاروبار پہ ہین خندہ ہائے گل
کہتے ہین جسکو عشق خلل ہے دماغ کا

تازہ نہین ہے نشۂ فکر سخن مجھے
تریاکی قدیم ہون دود چراغ کا

سو بار بند عشق سے آزاد ہم ہوئے
پر کیا کرین کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

بے خون دل ہے چشم مین موج نگہ غبار
یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا

باغ شگفتہ تیرا بساط نشاط دل
ابر بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

۱۰

وہ میرے چین جبین سے غم پنہان سمجھا
راز مکتوب بہ بے ربطی عنوان سمجھا

یک الف بیش نہین صیقل آئینہ ہنوز
چاک کرتا ہون مین جبسے کہ گریبان سمجھا

شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ
اسقدر تنگ ہوا دل کہ مین زندان سمجھا

بدگمانی نے نہ چاہا اوسے سرگرم خرام
رخ پہ ہر قطرۂ عرق دیدۂ حیران سمجھا

عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا
نبض خس سے تپش شعلۂ سوزان سمجھا

سفر عشق مین کی ضعف نے راحت طلبی
ہر قدم سایہ کو مین اپنے شبستان سمجھا

تھا گریزان مژہ یار سے دل تادم مرگ
دفع پیکان قضا اسقدر آسان سمجھا

دل دیا جان کے کیون اوسکو وفادار اسد
غلطی یہ کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل جگر تشنۂ فریاد آیا

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقت سفر یاد آیا

سادگیہاے تمنا یعنے
پھر وہ نیرنگ نظر یاد آیا

عذر واماندگی اے حسرت دل
نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا

زندگی یون بھی گذر ہی جاتی
کیون ترا راہ گذر یاد آیا

کیا ہی رضوان سے لڑائی ہوگی
گھر ترا خلد مین گر یاد آیا

آہ وہ جرأت فریاد کہان
دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا

پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال
دل گم گشتہ مگر یاد آیا

کوئی ویرانہ سے ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

مین نے مجنون پہ لڑکپن مین اسد
سنگ اوٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عنان گیر بھی تھا

[illegible]

۱۱

گر بگڑ بیٹھے تو مین لائق تعزیر بھی تھا
دیکھکر غیر کو ہو کیون نہ کلیجہ ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا ولی طالب تاثیر بھی تھا
پیشہ مین عیب نہین رکھیے نہ فرہاد کو نام
ہم ہی آشفتہ سرون مین وہ جوان میر بھی تھا
ہم تھے مرنیکو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
آخر اس شوخ کے ترکش مین کوئی تیر بھی تھا
پکڑے جاتے ہین فرشتون کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا

لب خشک در تشنگی مردگاں کا
زیارت کدہ ہوں دل آزردگاں کا

ہمہ نا امیدی ہمہ بدگمانی
میں دل ہوں فریب وفا خوردگاں کا

تو دوست کسیکا بھی ستمگر نہ ہوا تھا
اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دست قضا نے
خورشید ہنوز اسکے برابر نہ ہوا تھا

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قد یار کا عالم
میں معتقد فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

میں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہوں
یعنی سبق شوق مکرر نہ ہوا تھا

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

جاری تھی اسد داغ جگر سے مری تحصیل
آتشکدہ جاگیر سمندر نہ ہوا تھا

شب کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا
رشتۂ ہر شمع خار کسوت فانوس تھا

مشہد عاشق سے کوسوں تک جو اگتی ہے حنا
کس قدر یا رب ہلاک حسرت پابوس تھا

حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو
دل بدل پیوستہ گویا یک لب افسوس تھا

کیا کہوں بیماری غم کی فراغت کا بیاں
جو کہ کھایا خون دل بے منت کیموس تھا

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لیکے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے
اسکی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا

عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
جاتا ہوں داغ حسرت ہستی لیے ہوئے
ہوں شمع کشتہ درخور محفل نہیں رہا
مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں
شایان دست و بازوئے قاتل نہیں رہا
بر روئے شش جہت در آئینہ باز ہے
یاں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا
وا کر دیے ہیں شوق نے بند نقاب حسن

غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا
گو میں رہا رہین ستمہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
دل سے ہوائے کشت وفا مٹ گیا کہ واں
حاصل سوائے حسرت حاصل نہیں رہا
بیداد عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

ذرہ ذرہ ساغرِ میخانۂ نیرنگ ہے
گردشِ مجنوں بہ چشمکہائے لیلیٰ آشنا

شوق ہے ساماں طرازِ نازشِ اربابِ عجز
ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

شکوہ سنجِ رشکِ ہمدیگر نہ رہنا چاہیے
میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے
عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

کوہکن نقاشِ یک تمثالِ شیریں تھا اسد
سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یارب
آج ہی ہوا منظور ان کو امتحاں اپنا

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا کاش کے مکاں اپنا

دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے
بارے آشنا نکلا ان کا پاسباں اپنا

دردِ دل لکھوں کب تک جاؤں ان کو دکھلاؤں
انگلیاں فگار اپنی خامہ خونچکاں اپنا

گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا
ننگِ سجدہ سے میرے سنگِ آستاں اپنا

تا کرے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو
دوست کی شکایت میں ہم نے ہمزباں اپنا

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

سرمۂ مفتِ نظر ہوں مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا

رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم
تیرے چہرے سے ہو ظاہر غمِ پنہاں میرا

غافل بہ وہمِ ناز خود آرا ہے ورنہ یاں
بے شانۂ صبا نہیں طرہ گیاہ کا

بزمِ قدح سے عیشِ تمنا نہ رکھ کہ رنگ
صید ز دام جستہ ہے اس دامگاہ کا

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے
پُرگل خیالِ زخم سے دامن نگاہ کا

[illegible]

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

۱۳

ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ
یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

حریف جوشش دریا نہیں خودداری ساحل
جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعوی ہوشیاری کا

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا | درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا
تجھ سے قسمت میں مری صورت قفل ابجد | تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا
دل ہوا کشمکش چارۂ زحمت میں تمام | مٹ گیا گھسنے میں اس عقدے کا وا ہو جانا
اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ | اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا
ضعف سے گریہ مبدل بدم سرد ہوا | باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا
دل سے مٹنا تری انگشت حنائی کا خیال | ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا
ہے مجھے ابر بہاری کا برس کر کھلنا | روتے روتے غم فرقت میں فنا ہو جانا
گر نہیں نکہت گل کو ترے کوچے کی ہوس | کیوں ہے گرد رہ جولان صبا ہو جانا
تا کہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوائے صیقل | دیکھ برسات میں سبز آئینے کا ہو جانا

بخشے ہے جلوۂ گل ذوق تماشا غالب
چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

باب الباء

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب | دے بط مے کو دل و دست شنا موج شراب
پوچھ مت وجہ سیہ مستی ارباب چمن | سایۂ تاک میں ہوتی ہے ہوا موج شراب
جو ہوا غرقۂ مے بخت رسا رکھتا ہے | سر سے گزرے پہ بھی ہے بال ہما موج شراب
ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر | موج ہستی کو کرے فیض ہوا موج شراب
چار موج اٹھتی ہے طوفان طرب سے ہر سو | موج گل موج شفق موج صبا موج شراب
جس قدر روح نباتی ہے جگر تشنۂ ناز | دے ہے تسکیں بدم آب بقا موج شراب
بسکہ دوڑے ہے رگ تاک میں خوں ہو ہو کر | شہپر رنگ سے ہے بال کشا موج شراب

موجۂ گل سے چراغاں ہے گزرگاہ خیال
ہے تصور میں زبس جلوہ نما موج شراب
نشے کے پردے میں ہے محو تماشائے دماغ
بسکہ رکھتی ہے سر نشو و نما موج شراب
ایک عالم پہ ہیں طوفانی کیفیت فصل
موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موج شراب
شرح ہنگامۂ مستی ہے زہے موسم گل
رہبر قطرہ بہ دریا ہے خوشا موج شراب
ہوش اڑتے ہیں مرے جلوۂ گل دیکھ اسد
پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب

۱۴

باب التاء

افسوس کہ دنداں کا کیا رزق فلک نے
جن لوگوں کی تھی درخور عقد گہر انگشت
کافی ہے نشانی تری چھلے کا نہ دینا
خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت
لکھتا ہوں اسد سوزش دل سے سخن گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت
پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت

جگر کو مری عشق خوننابہ مشرب
لکھے ہے خداوند نعمت سلامت

علی الرغم دشمن شہید وفا ہوں
مبارک مبارک سلامت سلامت

نہیں گر سر و برگ ادراک معنی
تماشائے نیرنگ صورت سلامت

مستند گلین کھولتے آنکھیں غالب
لایا رلائے میرے بالین پہ اوسی پر کس وقت

آمد خط سے ہوا ہے سرد جو بازار دوست
دود شمع کشتہ تھا شاید خط رخسار دوست

اے دل ناعاقبت اندیش ضبط شوق کر
کون لا سکتا ہے تاب جلوۂ دیدار دوست

خانہ ویران سازی حیرت تماشا کیجیے
صورت نقش قدم ہوں رفتۂ رفتار دوست

عشق میں بیداد رشک غیر نے مارا مجھے
کشتۂ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمار دوست

چشم ما روشن کہ اس بیدرد کا دل شاد ہے
دیدۂ پرخوں ہمارا ساغر سرشار دوست

غیر یوں کرتا ہے میری پرسش اوس کے ہجر میں
بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوار دوست

تاکہ میں جانوں کہ ہے اوسکی رسائی وان تلک
مجھکو دیتا ہے پیام وعدۂ دیدار دوست

جبکہ میں کرتا ہوں اپنا شکوۂ ضعف دماغ
سر کرے ہے وہ حدیث زلف عنبر بار دوست

چپکے چپکے مجھکو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
ہنس کے کرتا ہے بیان شوخی گفتار دوست

مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجیے
یا بیان کیجے سپاس لذت آزار دوست

یہہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
ہے ردیف شعر میں غالب ز بس تکرار دوست

باب الجیم

گلشن میں بندوبست برنگ دگر ہے آج
قمری کا طوق حلقۂ بیرون در ہے آج

آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ
تار نفس کمند شکار اثر ہے آج

اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل
سیلاب گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

لو ہم مریض عشق کے بیمار دار ہیں
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

باب جیم فارسی

۱۵

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ

کمال گرمی سعی تلاش دید نہ پوچھ
برنگ خار مرے آئنے سے جوہر کھینچ

تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار اے دل
کیا ہے کسنے اشارہ کہ ناز بستر کھینچ

تری طرف ہے بحسرت نظارۂ نرگس
بکوری دل و چشم رقیب ساغر کھینچ

بہ نیم غمزہ ادا کر حق ودیعت ناز
نیام پردۂ زخم جگر سے خنجر کھینچ

مرے قدح میں ہے صہبائے آتش پنہاں
بروئے سفرہ کباب دل سمندر کھینچ

باب الدال

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد

منصب شیفتگی کی کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولی انداز و ادا میرے بعد

شمع بجھتی ہے تو اسمیں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

خون ہے دل خاک مین احوال بتان پر یعنی
انکے ناخن ہوئے محتاج حنا میرے بعد

در خور عرض نہیں جوہر بیداد کو جا
نگہ ناز ہے سرمہ سے خفا میرے بعد

ہے جنون اہل جنون کیلئے آغوش وداع
چاک ہوتا ہے گریبان سے جدا میرے بعد

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی مین صلا میرے بعد

غم سے مرتا ہون کہ اتنا نہیں دنیا مین کوئی
کہ کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد

آئی ہے بیکسی عشق پہ رونا غالب
کسکے گھر جائیگا سیلاب بلا میرے بعد

باب الراء

بلا سے ہین جو یہ پیش نظر در و دیوار
نگاہ شوق کو ہین بال و پر در و دیوار

وفور اشک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ
کہ ہو گئے مرے دیوار و در در و دیوار

نہین ہے سایہ کہ سنکر نوید مقدم یار
گئے ہین چند قدم پیشتر در و دیوار

ہوئی ہے کسقدر ارزانی مے جلوہ
کہ مست ہے ترے کوچہ مین ہر در و دیوار

جو ہے تجھے سر سودائے انتظار تو آ
کہ ہین دکان متاع نظر در و دیوار

وہ آ رہا مرے ہمسایہ مین تو سائے سے
ہوئے فدا در و دیوار پر در و دیوار

ہجوم گریہ کا سامان کب کیا مین نے
کہ گر پڑے نہ مرے پانو پر در و دیوار

نظر مین کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی
ہمیشہ روتے ہین ہم دیکھکر در و دیوار

نہ پوچھ بیخودی عیش مقدم سیلاب
کہ ناچتے ہین پڑے سر بسر در و دیوار

نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہین زمانہ مین
حریف راز محبت مگر در و دیوار

گھر جب بنا لیا ترے در پر کہے بغیر
جانیگا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر

کہتے ہین جب رہی نہ مجھے طاقت سخن
جانون کسی کے دل کی مین کیونکر کہے بغیر

کام اس سے آ پڑا ہے کہ جسکا جہان مین
لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر

جی مین ہی کچھ نہین ہے ہمارے وگرنہ ہم
سر جائے یا رہے نہ رہین پر کہے بغیر

چھوڑونگا مین نہ اس بت کافر کا پوجنا
چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر

مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو مین کام
چلتا نہین ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہین ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

بہرا ہوں میں تو چاہیے دونا ہو التفات
سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر

غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض
ظاہر ہے تیرا حال سب اونپر کہے بغیر

کیون جلگیا نہ تاب رخ یار دیکھکر
جلتا ہون اپنی طاقت دیدار دیکھکر

آتش پرست کہتے ہین اہل جہان مجھے
سرگرم نالہائے شرربار دیکھکر

کیا آبروے عشق جہان عام ہو جفا
رکتا ہون تمکو بےسبب آزار دیکھکر

آتا ہے میرے قتل کو پر جوش رشک سے
مرتا ہون اوسکے ہاتھ مین تلوار دیکھکر

ثابت ہوا ہے گردن مینا پہ خون خلق
لرزے ہے موج مے تری رفتار دیکھکر

واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہمکو حریص لذت آزار دیکھکر

بکجاتے ہین ہم آپ متاع سخن کے ساتھ
لیکن عیار طبع خریدار دیکھکر

زنار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال
رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھکر

ان آبلون سے پانوں کے گھبرا گیا تھا مین
جی خوش ہوا ہے راہ کو پرخار دیکھکر

کیا بدگمان ہے مجھسے کہ آئینے مین میرے
طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھکر

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہین بادہ ظرف قدح خوار دیکھکر

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھکر

لرزتا ہے مرا دل زحمت مہر درخشان پر
مین ہون وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خار بیابان پر

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یان بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زندان پر

فنا تعلیم درس بیخودی ہون اوس زمانے سے
کہ مجنون لام الف لکھتا تھا دیوار دبستان پر

فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے
بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکدان پر

نہین اقلیم الفت مین کوئی طومار ناز ایسا
کہ پشت چشم سے جسکی نہ ہووے مہر عنوان پر

[illegible]

ابرو سے ہے کیا اوس نگہ ناز کو پیوند
ہے تیر مقرر مگر اوسکی ہے کمان اور

ہر چند سبکدست ہوئے بت شکنی مین
ہم ہین تو ابھی راہ مین ہے سنگ گران اور

تم شہر مین ہو تو ہمین کیا غم جب اوٹھینگے
لے آئینگے بازار سے جا کر دل و جان اور

ہے خون جگر جوش مین دل کھولکے روتا
ہوتے جو کئی دیدۂ [illegible] فشان اور

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے
جلاد کو لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور

لوگوں کو ہے خورشید جہانتاب کا دھوکا
ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور

لیتا نہ اگر دل تمہیں دیتا کوئی دم چین
کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغاں اور

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

صفائی حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر
تغیر آب بر جا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

نہ کی سامان عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی
ہوا جام زمرد بھی مجھے داغ پلنگ آخر

جنوں کی دستگیری کس سے ہو گر ہو نہ عریانی
گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر

بہ رنگ کاغذ آتش زدہ نیرنگ بیتابی
ہزار آئینہ دل باندھے ہے بال یک تپیدن پر

فلک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے
شعاع مہر سے تہمت نگہ کی چشم روزن پر

فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
کہ مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

ستمکش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں
تکلف برطرف ملجائیگا تجھسا رقیب آخر

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

مٹ جائیگا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا
ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

تم ماہ شب چار دہم تھے مرے گھر کے
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور

تم کون سے ایسے تھے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے تمہیں نفرت سہی نیر سے لڑائی
بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

گزری نہ بہرحال یہ مدت خوش و ناخوش
کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

۱۸

ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہیں غالب
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

باب الزاے معجمہ

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح و مہر
ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز

ہے ناز مفلساں زر از دست رفتہ پر
ہوں گل فروش شوخی داغ کہن ہنوز

میخانۂ جگر مین یہان خاک بھی نہین
خمیازہ کھینچے ہے بت بیداد فن ہنوز

حریف مطلب مشکل نہین فسون نیاز
دعا قبول ہو یارب کہ عمر خضر دراز

نہ ہو بہرزہ بیابان نورد وہم وجود
ہنوز تیرے تصور مین ہے نشیب و فراز

وصال جلوہ تماشا ہے پر دماغ کہان
کہ دیجیے آئینہ انتظار کو پرواز

ہر ایک ذرہ عاشق ہے آفتاب پرست
گئی نہ خاک ہوئے پر ہوائے جلوۂ ناز

نہ پوچھ وسعت میخانۂ جنون غالب
جہان یہ کاسۂ گردون ہے ایک خاک انداز

وسعت سعی کرم دیکھ کہ سرتاسر خاک
گذرے ہے آبلہ پا ابر گہربار ہنوز

یکقلم کاغذ آتش زدہ ہے صفحۂ دشت
نقش پا مین ہے تب گرمی رفتار ہنوز

کیونکر اس بت سے رکھون جان عزیز
کیا نہین ہے مجھے ایمان عزیز

دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے
ہے ترے تیر کا پیکان عزیز

تاب لائی ہی بنیگی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

نہ گل نغمہ ہون نہ پردۂ ساز
مین ہون اپنے شکست کی آواز

تو اور آرایش خم کاکل
مین اور اندیشہاے دور دراز

لاف تمکین فریب سادہ دلی
ہم ہین اور رازہاے سینہ گداز

ہون گرفتار الفت صیاد
ورنہ باقی ہے طاقت پرواز

وہ بھی دن ہو کہ اس ستمگر سے
ناز کھینچون بجاے حسرت ناز

نہین دل مین مرے وہ قطرۂ خون
جس سے مژگان ہوئی نہ ہو گلباز

اے ترا غمزہ یک قلم انگیز
اے ترا ظلم سر بسر انداز

تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو
ریزش سجدۂ جبین نیاز

[illegible]

مر گیا پھوڑ کے سر غالب وحشی ہے ہے
بیٹھنا اوس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

باب شین معجمہ

نہ لیوے گر خس جوہر طراوت سبزۂ خط سے
لگاوے خانۂ آئینہ میں روئے نگار آتش

فروغ حسن سے ہوتی ہے حل مشکل عاشق
نہ نکلے شمع کے پا سے نکالے گر نہ خار آتش

باب عین مہملہ

جادۂ رہ خور کو وقت شام ہے تار شعاع
چرخ وا کرتا ہے ماہ نو سے آغوش وداع

رخ نگار سے ہے سوز جاودانی شمع
ہوئی ہے آتش گل آب زندگانی شمع

زبان اہل زبان میں ہے مرگ خاموشی
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع

کرے ہے صرف بایمائے شعلہ قصہ تمام
بطرز اہل فنا ہے فسانہ خوانی شمع

غم اوسکو حسرت پروانہ کا ہے اے شعلہ
ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے
بجلوہ ریزی باد و بپرفشانی شمع

نشاط داغ غم عشق کی بہار نہ پوچھ
شگفتگی ہے شہید گل خزانی شمع

جلے ہے دیکھ کے بالین یار پر مجھکو
نہ کیوں ہو دل پہ میرے داغ بدگمانی شمع

باب الفاء

بیم رقیب سے نہیں کرتے وداع ہوش
مجبور یاں تلک ہوئے اے اختیار حیف

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اکبار جل گئے
اے ناتمامی نفس شعلہ بار حیف

باب کاف تازی

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلان بے پروا نمک
کیا مزا ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک

گرد راہ یار ہے سامان ناز زخم دل
ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک

مجھکو ارزانی رہے تجھکو مبارک ہو جیو
نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک

شور جولان تھا کنار بحر پر کس کا کہ آج
گرد ساحل ہے بزخم موجۂ دریا نمک

داد دیتا ہے مرے زخم جگر کی واہ واہ
یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جا نمک

چھوڑ کر جانا تن مجروح عاشق حیف ہے
دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگے ہیں اعضا نمک

غیر کی منت نہ کھینچونگا پئے توفیر درد
زخم مثل خندۂ قاتل ہے سر تا پا نمک

یاد ہیں غالب تجھے وہ دن کہ وجد ذوق میں
زخم سے گرتا تو میں پلکوں سے چنتا تھا نمک

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب
دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہو جائینگے ہم تمکو خبر ہونے تک

پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم / میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک
یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل / گرمی بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک
غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج / شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

باب کاف فارسی

گر تجھکو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ / یعنی بغیر یک دل بے مدعا نہ مانگ
آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد / مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

باب اللام

ہے کسقدر ہلاک فریب وفائے گل / بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل
آزادی نسیم مبارک کہ ہر طرف / ٹوٹے پڑے ہیں حلقۂ دام ہوائے گل
جو تھا سو موج رنگ کے دھوکے میں مر گیا / اے وائے نالۂ لب خونیں نوائے گل
خوشحال اوس حریف سیہ مست کا کہ جو / رکھتا ہو مثل سایۂ گل سر بپائے گل
ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے بہار / میرا رقیب ہے نفس عطر سائے گل
شرمندہ رکھتے ہیں مجھے باد بہار سے / مینائے بے شراب و دل بے ہوائے گل
سطوت سے تیرے جلوۂ حسن غیور کے / خوں ہے مری نگاہ میں رنگ ادائے گل
تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک / بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل
غالب مجھے ہے اوس سے ہم آغوشی کی آرزو / جسکا خیال ہے گل جیب قبائے گل

باب المیم

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس / برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ باز خیال / ہیں ورق گردانی نیرنگ یک بتخانہ ہم
باوجود یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں / ہیں چراغان شبستان دل پروانہ ہم
ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترک جستجو / ہیں وبال تکیہ گاہ ہمت مردانہ ہم
دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسد / جانتے ہیں سینۂ پرخوں کو زنداں خانہ ہم

بہ نالہ حاصل دل بستگی فراہم کر / متاع خانۂ زنجیر جز صدا معلوم

مجھکو دیار غیر میں مارا وطن سے دور / رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم
وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا / رکھ لیجو میرے دعوی وارستگی کی شرم

باب النون

۲۱

لوں دام بخت خفتہ سے یک خواب خوش ولی / غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

وہ فراق اور وہ وصال کہاں / وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں
فرصت کاروبار شوق کسے / ذوق نظارۂ جمال کہاں
دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا / شور سودائے خط و خال کہاں

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائیِ خیال کہاں

ایسا آساں نہیں لہو رونا
دل میں طاقت جگر میں حال کہاں

ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق
واں جو جاویں گرہ میں مال کہاں

فکر دنیا میں سر کھپاتا ہوں
میں کہاں اور یہ وبال کہاں

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
وہ عناصر میں اعتدال کہاں

کی وفا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

آج ہم اپنی پریشانیِ خاطر ان سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھیے کیا کہتے ہیں

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں

دل میں آ جائے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

پائے افگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے
خار رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہیں

اک شرر دل میں ہے اس سے کوئی گھبرائے گا کیا
آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں

دیکھیے لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ
اس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہویں شاید
مر گیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہیں

آبرو کیا خاک اس گل کی کہ گلشن میں نہیں
ہے گریباں ننگ پیراہن جو دامن میں نہیں

ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں
رنگ ہو کر اڑ گیا جو خوں کہ دامن میں نہیں

ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہ آفتاب
ذرے اس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

کیا کہوں تاریکیِ زندان غم اندھیر ہے
پنبہ نور صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں

رونق ہستی ہے عشق خانہ ویراں ساز سے
انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں

بس کہ ہیں ہم اک بہار ناز کے مارے ہوئے
جلوۂ گل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں

قطرہ قطرہ اک ہیولیٰ ہے نئے ناسور کا
خوں بھی ذوق درد سے فارغ مرے تن میں نہیں

لے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری
موج مے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں

ہو فشار ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود
قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں

۳۲

تھی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشت خس کہ گلخن میں نہیں

[illegible]

ظالم میرے گمان سے مجھے منفعل نہ چاہ
ہے ہے خدا نہ کردہ تجھے بیوفا کہون

مہربان ہو کے بلا لو مجھے چاہو جسوقت
میں گیا وقت نہیں ہون کہ پھر آ بھی نہ سکون

ضعف میں طعنہ اغیار کا شکوہ کیا ہے
بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکون

زہر ملتا ہی نہیں مجھکو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہے تیرے ملنیکی کہ کھا بھی نہ سکون

ہمسے کھلجاؤ بوقت مے پرستی ایکدن
ورنہ ہم چھیڑینگے رکھکر عذر مستی ایکدن

غرہ اوج بنائے عالم امکان نہ ہو
اس بلندی کے نصیبون مین ہے پستی ایکدن

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہان
رنگ لاویگی ہماری فاقہ مستی ایکدن

نغمہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بیصدا ہو جائیگا یہ ساز ہستی ایکدن

دھول دھپہ اس سراپا ناز کا شیوہ نہین
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیشدستی کہان

ہم پر جفا سے ترک وفا کا گمان نہین
اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحان نہین

کس منہ سے شکر کیجیے اس لطف خاص کا
پرسش ہے اور پاے سخن درمیان نہین

ہمکو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز
نا مہربان نہین ہے اگر مہربان نہین

بوسہ نہین نہ دیجیے دشنام ہی سہی
آخر زبان تو رکھتے ہو تم گر دہان نہین

ہر چند جان گدازی قہر و عتاب ہے
ہر چند پشت گرمی تاب و توان نہین

جان مطرب ترانہ ہل من مزید ہے
لب پردہ سنج زمزمہ الامان نہین

خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دونیم
دل مین چھری چبھو مژہ گر خونچکان نہین

ہے ننگ سینہ دل اگر آتشکدہ نہ ہو
ہے عار دل نفس اگر آذر فشان نہین

نقصان نہین جنون مین بلا سے ہو گھر خراب
سو گز زمین کے بدلے بیابان گران نہین

[illegible]

کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت مین
گویا جبین پہ سجدہ بت کا نشان نہین

پاتا ہون اس سے داد کچھ اپنے کلام کی
روح القدس اگرچہ مرا ہمزبان نہین

جان ہے بہائے بوسہ ولے کیون کہے ابھی
غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جان نہین

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہین
ایک چکر ہے مرے پانو مین زنجیر نہین

شوق اس دشت مین دوڑاے ہے مجھکو کہ جہان
جادہ غیر از نگہ دیدہ تصویر نہین

حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے
جادہ راہ وفا جز دم شمشیر نہین

رنج نومیدی جاوید گوارا رہیو
خوش ہون گر نالہ زبونی کش تاثیر نہین

سر کھجاتا ہے جہان زخم سر اچھا ہو جائے
لذت سنگ باندازہ تقریر نہین

جب کرم رخصت بیباکی و گستاخی دے
کوئی تقصیر بجز خجلت تقصیر نہین

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہین

۲۳

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

مطلع

بست مژگاں دیدہ میں سمجھوں نگاہیں
ہیں جمع سویدائے دل چشم میں آہیں

بیتکال گریہ عاشق ہے دیکھا چاہیئے
کھل گئی مانند گل سو جا سے دیوار چمن

الفت گل سے غلط ہے دعوی وارستگی
سرو ہے باوصف آزادی گرفتار چمن

عشق تاثیر سے نومید نہیں
جاں سپاری شجر بید نہیں

سلطنت دست بدست آئی ہے
جام مے خاتم جمشید نہیں

ہے تجلی تری سامان وجود
ذرہ بے پرتو خورشید نہیں

راز معشوق نہ رسوا ہو جائے
ورنہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں

گردش رنگ طرب سے ڈر ہے
غم محرومی جاوید نہیں

کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

دل آشفتگاں خال کنج دہن کے
سویدا میں سیر عدم دیکھتے ہیں

ترے سرو قامت سے اک قد آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

تماشا کہ اے محو آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

سراغ تف نالہ لے داغ دل سے
کہ شب رو کا نقش قدم دیکھتے ہیں

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

ملتی ہے خوئے یار سے نار التہاب میں
کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں
کب سے ہوں کیا بتاؤں جہان خراب میں
شب ہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں
تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں
قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دور جام

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں
[illegible]

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا | لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب مین
وہ نالہ دل مین خس کے برابر جگہ نہ پائے | جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب مین
وہ سحر مدعا طلبی مین نہ کام آئے | جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب کا

غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہون روز ابر و شب ماہتاب مین

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب مین | یہ سوء ظن ہے ساقی کوثر کے باب مین
ہین آج کیون ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند | گستاخی فرشتہ ہماری جناب مین
جان کیون نکلنے لگتی ہے تن سے دم سماع | گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب مین
رو مین ہے رخش عمر کہان دیکھیے تھمے | نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب مین
اوتنا ہی مجھکو اپنی حقیقت سے بعد ہے | جتنا کہ وہم غیر سے ہون پیچ و تاب مین
اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے | حیران ہون پھر مشاہدہ ہے کس حساب مین
ہے مشتمل نمود صور پر وجود بحر | یان کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب مین
شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی | ہین کتنے بے حجاب کہ ہین یون حجاب مین
آرائش جمال سے فارغ نہین ہنوز | پیش نظر ہے آئنہ دائم نقاب مین
ہے غیب غیب جسکو سمجھتے ہین ہم شہود | ہین خواب مین ہنوز جو جاگے ہین خواب مین
غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست | مشغول حق ہون بندگی بو تراب مین

حیران ہون دلکو روؤن کہ پیٹون جگر کو مین | مقدور ہو تو ساتھ رکھون نوحہ گر کو مین
چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لون | ہر ایک سے پوچھتا ہون کہ جاؤن کدھر کو مین
جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار | اے کاش جانتا نہ ترے رہگذر کو مین
ہے کیا جو کس کے باندھیے میری بلا ڈرے | کیا جانتا نہین ہون تمہاری کمر کو مین
لو وہ بھی کہتے ہین کہ یہ بے ننگ و نام ہے | یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو مین
چلتا ہون تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ | پہچانتا نہین ہون ابھی راہبر کو مین
خواہش کو احمقون نے پرستش دیا قرار | کیا پوجتا ہون اس بت بیداد گر کو مین
پھر بیخودی مین بھول گیا راہ کوئے یار | جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو مین
اپنے پہ کر رہا ہون قیاس اہل دہر کا | سمجھا ہون دلپذیر متاع ہنر کو مین
غالب خدا کرے کہ سوار سمند ناز | دیکھون علی بہادر عالی گہر کو مین

۲۵

ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہین | غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہین
وعدۂ سیر گلستان ہے خوشا طالع شوق | مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہین
شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے عالم | لوگ کہتے ہین کہ ہے پر ہمین منظور نہین
قطرہ اپنا بھی حقیقت مین ہے دریا لیکن | ہمکو تقلید تنک ظرفی منصور نہین

حسرت اے ذوق خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی
عشق پر عربدہ کی گون تن رنجور نہیں

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لینگے قیامت میں تمہیں
کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو
تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

صاف دردی کش پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ
وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں

ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب
میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہیں
ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں

عشق و مزدوری عشرتگہ خسرو کیا خوب
ہمکو تسلیم نکونامی فرہاد نہیں

کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

اہل بینش کو ہے طوفان حوادث مکتب
لطمۂ موج کم از سیلی استاد نہیں

وائے مظلومی تسلیم و بداحال وفا
جانتا ہے کہ ہمیں طاقت فریاد نہیں

رنگ تمکین گل و لالہ پریشان کیوں ہے
گر چراغان سر رہگذر باد نہیں

سبد گل کے تلے بند کرے ہے گلچین
مژدہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں

نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا
دی ہے جائے دہن اسکو دم ایجاد نہیں

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچہ سے بہشت
یہی نقشہ ہے ولی اسقدر آباد نہیں

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تمکو بے مہری یاران وطن یاد نہیں

دو ہی جہان دست کی وہ سمجھے ہے خوش رہا
یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم
ہو غم ہی جانگداز تو غمخوار کیا کریں

دل لگا کر لگ گیا انکو بھی تنہا بیٹھنا
بارے اپنی بیکسی کی ہمنے پائی داد یاں

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام

[illegible]

نہیں کہ مجھکو قیامت کا اعتقاد نہیں
شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہیں

کوئی کہے کہ شبِ مہ میں کیا برائی ہے
بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں

جو آؤں سامنے اونکے تو مرحبا نہ کہیں
جو جاؤں واں سے کہیں کو تو خیر باد نہیں

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں
کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں

علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب
گدائے کوچۂ میخانہ نامراد نہیں

جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام
دیا ہے ہمکو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں

تم اون کے وعدہ کا ذکر اون سے کیوں کرو غالب
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں
ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے
ہم بھی ایک اپنی ہوا باندھتے ہیں

تیری فرصت کے مقابل اے عمر
برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں

قیدِ ہستی سے رہائی معلوم
اشک کو بے سر و پا باندھتے ہیں

نشتر رنگ سے ہے واشد گل
مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں

غلطیہائے مضامین مت پوچھ
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

اہلِ تدبیر کی واماندگیاں
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

سادہ پرکار ہیں خوباں غالب
ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں

زمانہ سخت کم آزار ہے بجانِ اسد
وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

یارب زمانہ مجھکو مٹاتا ہے کس لیے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
رتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں

کرتے ہو مجھکو منعِ قدمبوس کس لیے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں

یاد تھیں ہمکو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

تھیں بنات النعش گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو اونکے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں

قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنان مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعاں ہو گئیں

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھونگا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

نیند اوسکی ہے دماغ اوسکا ہے راتیں اوسکی ہیں
تیری زلفیں جسکی بازو پر پریشاں ہو گئیں

ان پریزادوں سے لینگے خلد میں ہم انتقام
قدرت حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سنکر میرے نالے غزلخواں ہو گئیں

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار
جو میری کوتاہی قسمت سے مژگاں ہو گئیں

بسکہ روکا میں نے اور سینہ میں ابھریں پے بہ پے
میری آہیں بخیۂ چاک گریباں ہو گئیں

واں گیا بھی میں تو اونکی گالیوں کا کیا جواب
یاد تھیں جتنی دعائیں صرف درباں ہو گئیں

جانفزا ہے بادہ جسکے ہاتھ میں جام آگیا
سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگ جاں ہو گئیں

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھپر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یوں ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہیں
یعنی ہمارے جیب میں اک تار بھی نہیں

دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے
دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں
طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں

شوریدگی کے ہاتھ سے ہے سر وبال دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

گنجایش عداوت اغیار یکطرف
یاں دل میں ضعف سے ہوس یار بھی نہیں

ڈر نالہائے زار سے میرے خدا کو مان
آخر نوائے مرغ گرفتار بھی نہیں

دل میں ہے یار کی صف مژگاں سے روکشی
حالانکہ طاقت خلش خار بھی نہیں

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بارہا
دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

نہیں ہے زخم کوئی بخیہ کے درخور مرے تن میں
ہوا ہے تار اشک یاس رشتہ چشم سوزن میں

ہوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی
کف سیلاب باقی ہے برنگ پنبہ روزن میں

ودیعت خانۂ بیداد کاوشہائے مژگاں ہوں

[illegible]

ہزاروں دل دیے جوشِ جنونِ عشق نے مجھ کو
سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرۂ خوں تن میں

اسد زندانیٔ تاثیرِ الفت ہائے خوباں ہوں
خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

مزے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
سوائے خونِ جگر سو جگر میں خاک نہیں

مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے
وگرنہ تاب و تواں بال و پر میں خاک نہیں

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیرِ جلوۂ گل رہگذر میں خاک نہیں

بھلا اسے نہ سہی کچھ مجھی کو رحم آتا
اثر مرے نفسِ بے اثر میں خاک نہیں

خیالِ جلوۂ گل سے خراب ہیں میکش
شرابخانہ کی دیوار و در میں خاک نہیں

ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ
سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسد
کھلا کہ فائدہ عرضِ ہنر میں خاک نہیں

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم غیر ہمیں اٹھائے کیوں

جب وہ جمالِ دلفروز صورتِ مہرِ نیمروز
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں منہ چھپائے کیوں

دشنۂ غمزہ جانستاں ناوکِ ناز بے پناہ
تیرا ہی عکسِ رخ سہی سامنے تیرے آئے کیوں

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

حسن اور اس پہ حسنِ ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں

واں وہ غرورِ عز و ناز یاں یہ حجابِ پاسِ وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی
جسکو ہو دین و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

غالبِ خستہ کے بغیر کونسے کام بند ہیں
روئیے زار زار کیا کیجیئے ہائے ہائے کیوں

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسے کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

پرسشِ طرزِ دلبری کیجیے کیا کہ بن کہے
اسکے ہر اک اشارے سے نکلے ہے یہ ادا کہ یوں

رات کے وقت مے پیے ساتھ رقیب کو لیے
آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھیے
سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یوں

بزم میں اسکے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھیے
اسکی تو خامشی میں بھی ہے یہی مدعا کہ یوں

۲۹

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی
سنکے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح
دیکھ کے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں

کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی
آئنہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پا کہ یوں

گر ترے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال
موجِ محیطِ آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکے ہو رشکِ فارسی
گفتۂ غالب ایکبار پڑھ کے اوسے سنا کہ یون

باب الواو

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو
کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

بقدرِ حسرتِ دل چاہیے ذوقِ معاصی بھی
بھرون یک گوشۂ دامن گر آبِ ہفت دریا ہو

اگر وہ سرو قد گرمِ خرامِ ناز آجاوے
کفِ ہر خاکِ گلشن شکلِ قمری نالہ فرسا ہو

کعبے مین جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہین
بھولا ہون حقِ صحبتِ اہلِ کنشت کو

طاعت مین تا رہے نہ مے و انگبین کی لاگ
دوزخ مین ڈالدو کوئی لیکر بہشت کو

ہون منحرف نہ کیون رہ و رسمِ ثواب سے
ٹیڑھا لگا ہے قط قلمِ سرنوشت کو

غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہین مجھے
خرمن جلے اگر نہ ملخ کہائے کشت کو

وارستہ اس سے ہین کہ محبت ہی کیون نہو
کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیون نہو

چھوڑا نہ مجھ مین ضعف نے رنگ اختلاط کا
ہے دل پہ بار نقشِ محبت ہی کیون نہو

ہے مجھکو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ
ہرچند بر سبیلِ شکایت ہی کیون نہو

پیدا ہوئی ہے کہتے ہین ہر درد کی دوا
یون ہو تو چارۂ غمِ الفت ہی کیون نہو

ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ
اپنے سے کھینچتا ہون خجالت ہی کیون نہو

ہنگامۂ زبونیِ ہمت ہے انفعال
حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیون نہو

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہین خلوت ہی کیون نہو

وارستگی بہانۂ بیگانگی نہین
اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیون نہو

مٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی
عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیون نہو

[illegible]

شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خو مجھکو
جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بیخبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جویاں ہوں جواہر کے
جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو

میرے شاہ سلیماں جاہ سے نسبت نہیں غالب
فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو

دہوتا ہوں جب میں پینے کو اس سیمتن کے پانو
رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانو

دی سادگی سے جان پڑوں کوہکن کے پانو
ہیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو

بھاگے تھے ہم بہت سو اسی کی سزا ہے یہ
ہو کر اسیر دابتے ہیں راہزن کے پانو

مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور
تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پانو

اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ
ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پانو

ہے جوش گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف
اوڑتے ہوے الجھتے ہیں مرغ چمن کے پانو

شب کو کسیکے خواب میں آیا نہ ہو کہیں
دکھتے ہیں آج اوس بت نازک بدن کے پانو

غالب مرے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو
پیتا ہوں دہو کے خسرو شیرین سخن کے پانو

واں اوسکو ہول دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار
یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو

اپنے کو دیکھتا نہیں ذوق ستم کو دیکھہ
آئینہ تاکہ دیدۂ نخچیر سے نہ ہو

واں پہونچکر جو غش آتا پیہم ہے ہمکو
صد رہ آہنگ زمین بوس قدم ہے ہمکو

دلکو میں اور مجھے دل محو وفا رکھتا ہے
کسقدر ذوق گرفتاری ہم ہے ہمکو

ضعف سے نقش پئے مور ہے طوق گردن
تیرے کوچے سے کہاں طاقت رم ہے ہمکو

جانکر کیجئے تغافل کہ کچھہ امید بھی ہو
یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہمکو

رشک ہم طرحی و درد اثر بانگ حزیں
نالۂ مرغ سحر تیغ دو دم ہے ہمکو

سر اوڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا
ہنسکے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہمکو

دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ ولیکن ناچار
پاس بے رونقی دیدہ اہم ہے ہمکو

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہمکو

لکھنؤ آنیکا باعث نہیں کھلتا یعنی
ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہمکو

مقطع سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر
عزم سیر نجف و طوف حرم ہے ہمکو

لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب
جادۂ رہ کشش کاف کرم ہے ہمکو

تم جانو تمکو غیر سے جو رسم و راہ ہو
مجھکو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

بچتے نہیں مواخذۂ روز حشر سے
قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

۱۳۱

[illegible]

کیا وہ بھی بے گنہ کش و حق ناسپاس ہیں
مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو

ابھرا ہوا نقاب میں ہے ان کی ایک تار
مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست
لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

غالب بھی گر نہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
دنیا ہو یارب اور مرا بادشاہ ہو

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو
کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو

ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال
کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو

ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے
حیا ہے اور یہی گومگو تو کیونکر ہو

تمہیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا
بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو

الجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیونکر ہو

جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

ہمیں پھر ان سے امید اور انہیں ہماری قدر
ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیونکر ہو

غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا
نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو

بتاؤ اس مژہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرار
یہ نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیونکر ہو

مجھے جنوں نہیں غالب ولے بقول حضور
فراق یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیوں ہو

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

غلط ہے جذب دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی
بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

باب الیاء

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ

ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غمکدہ
جسکی بہار یہ ہو پھر اوسکی خزاں نہ پوچھ

ناچار بیکسی کی بھی حسرت اوٹھائیے
دشواری رہ و ستم ہمرہاں نہ پوچھ

باب الیاء

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اوٹھائیے
طاقت کہاں کہ دید کا احساں اوٹھائیے

ہے سنگ پر برات معاش جنون عشق
یعنی ہنوز منت طفلاں اوٹھائیے

دیوار بار منت مزدور سے ہے خم
اے خانماں خراب نہ احساں اوٹھائیے

یا میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجیے
یا پردۂ تبسم پنہاں اوٹھائیے

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے
بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک شخص اور پر
آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

دے داد اے فلک دل حسرت پرست کی
ہاں کچھ نہ کچھ تلافی مافات چاہیے

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

ہے رنگ لالہ و گل و نسریں جدا جدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

سر پائے خم پہ چاہیے ہنگام بیخودی
رو سوئے قبلہ وقت مناجات چاہیے

یعنی بحسب گردش پیمانۂ صفات
عارف ہمیشہ مست مے ذات چاہیے

نشو و نما ہے اصل سے غالب فروع کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے

بساط عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خون وہ بھی
سو رہتا ہے بانداز چکیدن سرنگوں وہ بھی

رہے اس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے
تکلف برطرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی

نہ کرتا کاش نالہ مجھکو کیا معلوم تھا ہمدم
کہ ہوگا باعث افزائش درد دروں وہ بھی

نہ اتنا برش تیغ جفا پر ناز فرماؤ
مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موج خوں وہ بھی

مے عشرت کی خواہش ساقی گردوں سے کیا کیجے
لیے بیٹھا ہے اک دو چار جام واژگوں وہ بھی

۳۳

خیال مرگ کب تسکیں دل آزردہ کو بخشے
مرے دام تمنا میں ہے اک صید زبوں وہ بھی

مرے دل میں ہے غالب شوق وصل و شکوۂ ہجراں
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

ہے بزم بتاں میں سخن آزردہ لبوں سے
تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے

ہے دور قدح وجہ پریشانی صہبا
یکبار لگا دو خم مے میرے لبوں سے

زندان در میکدہ گستاخ ہیں زاہد | زنہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے

بیداد وفا دیکھہ کہ جاتی رہی آخر
ہر چند مری جان کو تھا ربط لبوں سے

تا ہمکو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا | سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے

غالب ترا احوال سنا دینگے ہم انکو
وہ سنکے بلا لیں یہ اجارہ نہیں کرتے

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرتا | وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اوٹھانیکی | فلک کا دیکھنا تقریب تیری یاد آنیکی

کھلیگا کس طرح مضمون میرے مکتوب کا یا رب | قسم کھائی ہے اس کافر نے کاغذ کے جلانیکی

لپٹنا پرنیان میں شعلۂ آتش کا آسان ہے | ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوز غم چھپانیکی

انہیں منظور اپنے زخمیونکا دیکھہ آنا تھا | اوٹھے تھے سیر گل کو دیکھنا شوخی بہانیکی

ہماری سادگی تھی التفات ناز پہ مرنا | ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانیکی

لکدکوب حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی | مری طاقت کہ ضامن تھی بتونکے ناز اوٹھانیکی

کہوں کیا خوبی اوضاع ابنائے زمان غالب
بدی کی اوسنے جس سے ہمنے کی تھی بارہا نیکی

حاصل سے ہاتھہ دھو بیٹھہ اے آرزو خرامی | دل جوش گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی

اس شمع کیطرح سے جس کو کوئی بجھا دے
میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغ ناتمامی

کیا تنگ ہم ستمزدگان کا جہان ہے | جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے | پرتو سے آفتاب کے ذرہ میں جان ہے

حالانکہ ہے یہ سیلی خارا سے لالہ رنگ | غافل کو میرے شیشے پہ مے کا گمان ہے

کی اوسنے گرم سینۂ اہل ہوس میں جا
آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے
کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے
بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوار یار میں
فرمان روائے کشور ہندوستان ہے
ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا
کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے
ہے بارے اعتماد وفاداری اس قدر
غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہربان ہے

درد سے میرے ہے تجھکو بیقراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے
تیرے دل میں گر نہ تھا آشوب غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے
کیوں مری غمخوارگی کا تجھکو آیا تھا خیال
دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہائے ہائے
عمر بھر کا تو نے پیمان وفا باندھا تو کیا
عمر کو بھی تو نہیں ہے پائداری ہائے ہائے
[illegible]

زہر لگتی ہے مجھے آب وہوائے زندگی
یعنی تجھسے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

گلفشانی ہائے تازہ جلوہ کو کیا ہو گیا
خاک پر ہوتی ہے تیرے لالہ کاری ہائے ہائے

شرم رسوائی سے جا چھپنا نقاب خاک مین
ختم ہے الفت کی تجھپر پردہ داری ہائے ہائے

خاک مین ناموس پیمان محبت ملگئی
اوٹھگئی دنیا سے راہ ورسم یاری ہائے ہائے

ہاتھہ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا
دلپہ اک لگنے نپایا زخم کاری ہائے ہائے

کسطرح کاٹے کوئی شبہائے تار برشگال
ہے نظر خو کردہ اختر شماری ہائے ہائے

گوش مہجور پیام وچشم محروم جمال
ایکدل تسپر یہ نا امیدواری ہائے ہائے

عشق نے پکڑا نتہا غالب ابھی وحشت کا رنگ
رہگیا تہا دل مین جو کچھہ ذوق خواری ہائے ہائے

سرگشتگی مین عالم ہستی سے یاس ہے
تسکین کو دے نوید کہ مرنیکی آس ہے

لیتا نہین میرے دل آوارہ کی خبر
اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے

کیجئے بیان سرور تپ غم کہان تلک
ہر مو میرے بدنپہ زبان سپاس ہے

ہے وہ غرور حسن سے بیگانہ وفا
ہرچند اوسکی پاس دل حق شناس ہے

پی جسقدر ملے شب مہتاب مین شراب
اس بلغمی مزاجکو گرمی ہی راس ہے

ہر ایک مکان کو ہے مکین سے شرف
مجنون جو مرگیا تو جنگل اداس ہے

گر خاموشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہون کہ میری بات سمجھنی محال ہے

کسکو سناؤن حسرت اظہار کا گلا
دل فرد جمع وخرچ زبانہائے لال ہے

کس پردہ مین ہے آئینہ پرداز اے خدا
رحمت کہ عذر خواہ لب بے سوال ہے

ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی
اے شوق منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے

مشکین لباس کعبہ علی کے قدم سے جان
ناف زمین ہے نہ کہ ناف غزال ہے

۳۵

آنکھ کی تصویر سرنامہ پہ کھینچی ہے کہ تا
تجھ پہ کھل جاوے کہ اسکو حسرت دیدار ہے

پس میں گذرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے
کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے

میری ہستی فضائے حیرت آباد تمنا ہے
جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے

خزاں کیا فصل گل کسکو کہتے ہیں کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم
اثر فریاد دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

نہ لائی شوخی اندیشہ تاب رنج نومیدی
کف افسوس ملنا عہد تجدید تمنا ہے

ہم کو ظالم کہ کیا ہو وہ چراغ کشتہ ہے
نبض بیمار وفا دود چراغ کشتہ ہے

دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں
ورنہ یاں بے رونقی سود چراغ کشتہ ہے

چشم خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے
سرمہ تو کہوے کہ دود شعلہ آواز ہے

پیکر عشاق ساز طالع ناساز ہے
نالہ گویا گردش سیارہ کی آواز ہے

دستگاہ دیدۂ خونبار مجنوں دیکھنا
یک بیاباں جلوۂ گل فرش پا انداز ہے

عشق مجھکو نہیں وحشت ہی سہی
میری وحشت تیری شہرت ہی سہی

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی
اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

عمر ہر چند کہ ہے برق خرام
دل کے خون کرنے کی فرصت ہی سہی

ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

کچھ تو دے اے فلک نا انصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

۳۶

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے
صبح وطن ہے خندۂ دنداں نما مجھے

ڈھونڈے ہے اس مغنی آتش نفس کو جی
جسکی صدا ہو جلوۂ برق فنا مجھے

مستانہ طے کروں ہوں رہ وادی خیال
تا بازگشت سے نہ رہے مدعا مجھے

کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں
آنے لگی ہے نکہت گل سے حیا مجھے

کھلتا ہے کسی پہ کیون میرے دل کا معاملہ
شعرون کے انتخاب مین رسوا کیا مجھے

زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالب
ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے

اس بزم مین مجھے نہین بنتی حیا کیے
بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیے

دل ہی تو ہے سیاست دربان سے ڈر گیا
مین اور جاؤن در سے ترے بن صدا کیے

رکھتا پھرون ہون خرقہ و سجادہ رہن مے
مدت ہوئی ہے دعوت آب و ہوا کیے

بے صرفہ ہی گذرتی ہے ہو گرچہ عمر خضر
حضرت بھی کل کہینگے کہ ہم کیا کیا کیے

مقدور ہو تو خاک سے پوچھون کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہاے گرانمایہ کیا کیے

کس روز تہمتین نہ تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرا چلا کیے

صحبت مین غیر کی نہ پڑی ہو کہین یہ خو
دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے

ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہین
بھولے سے اوسنے سیکڑون وعدہ وفا کیے

غالب تمہین کہو کہ ملیگا جواب کیا
مانا کہ تم کہا کیے اور ہم سنا کیے

رفتار عمر قطع رہ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

مینائی مے ہے سرو نشاط بہار سے
بال تدرو جلوہ موج شراب ہے

زخمی ہوا ہے پاشنہ پاے ثبات کا
نے بھاگنے کی گون نہ اقامت کی تاب ہے

جاداد بادہ نوشی رندان ہے شش جہت
غافل گمان کرے ہے کہ گیتی خراب ہے

نظارہ کیا حریف ہو اس برق حسن کا
جوش بہار جلوہ کو جسکی نقاب ہے

مین نامراد دل کی تسلی کو کیا کرون
مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے

گذرا اسد مسرت پیغام یار سے
قاصد پہ مجھکو رشک سوال و جواب ہے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
مین اوسے دیکھون بھلا کب مجھسے دیکھا جائے ہے

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے مین ہے
آبگینہ تندی صہبا سے پگھلا جائے ہے

غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے
گر حیا بھی اوسکو آتی ہے تو شرما جائے ہے

شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے
دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے

دور چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ

۳۷

نغمہ ہو جاتا ہے وان گر نالہ میرا جائے ہے

گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہین کہ وہ پا جائے ہے

اوسکی بزم آرائیان سنکر دل رنجور یان
مثل نقش مدعاے غیر بیٹھا جائے ہے

ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اوڑتا جائے ہے

نقش کو اوسکے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہین
کھینچتا ہے جسقدر اوتنا ہی کھنچتا جائے ہے

سایہ میرا مجھ سے مثل دود بھاگے ہے اسد
پاس مجھ آتش بجان کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے
تب امان ہجر مین دی برد لیالی نے مجھے

نسیہ و نقد دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھ سے مری ہمت عالی نے مجھے

کثرت آرائی وحدت ہے پرستاری وہم
کر دیا کافر ان اصنام خیالی نے مجھے

ہوس گل کا تصور مین بھی کھٹکا نہ رہا
عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

کارگاہ ہستی مین لالہ داغ سامان ہے
برق خرمن راحت خون گرم دہقان ہے

غنچہ تا شگفتن ہا برگ عافیت معلوم
باوجود دلجمعی خواب گل پریشان ہے

ہے سے رنج بیتابی کسطرح اوٹھایا جائے
عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

اوگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب
ہم بیابان مین ہین اور گھر مین بہار آئی ہے

سادگی پر اوسکی مر جانیکی حسرت دل مین ہے
بس نہین چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل مین ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اوسنے کہا
مین نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل مین ہے

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولی با این ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اوس محفل مین ہے

بس ہجوم نا امیدی خاک مین مل جائیگی
یہ جو اک لذت ہماری سعی بیحاصل مین ہے

رنج رہ کیون کھینچی واماندگی کو عشق ہے
اوٹھ نہین سکتا ہمارا جو قدم منزل مین ہے

جلوہ زار آتش دوزخ ہمارا دل سہی
فتنۂ شور قیامت کس کے آب و گل مین ہے

ہے دل شوریدۂ غالب طلسم پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل مین ہے

دل سے تیری نگاہ جگر تک اوتر گئی
دونون کو اک ادا مین رضا مند کر گئی

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذت فراغ
تکلیف پردہ داری زخم جگر گئی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیان کہان
اوٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

اوڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار مین
بارے اب اے ہوا ہوس بال و پر گئی

دیکھو تو دلفریبی انداز نقش پا
موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

۳۸

نظارے نے بھی کام کیا وان نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

فردا و دی کا تفرقہ یکبار مٹ گیا
کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

مارا زمانے نے اسد اللہ خان تمہین
وہ ولولے کہان وہ جوانی کدھر گئی

تسکین کو ہم نہ روئین جو ذوق نظر ملے
حوران خلد مین تری صورت مگر ملے

اپنے گلے مین مجھکو نہ کر دفن بعد قتل
میرے پتے سے خلق کو کیون تیرا گھر ملے

ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم
ہر شب پیا ہی کرتے ہین مے جسقدر ملے

تجھسے تو کچھ کلام نہین لیکن اے ندیم
میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

تمکو بھی ہم دکھائین کہ مجنون نے کیا کیا
فرصت کشاکش غم پنہان سے گر ملے

لازم نہین کہ خضر کی ہم پیروی کرین
جانا کہ اک بزرگ ہمین ہمسفر ملے

اے ساکنان کوچۂ دلدار دیکھنا
تمکو کہین غالب آشفتہ سر ملے

کوئی دن گر زندگانی اور ہے
اپنے جی مین ہمنے ٹھانی اور ہے

آتش دوزخ مین یہ گرمی کہان
سوز غمہائے نہانی اور ہے

بارہا دیکھی ہین انکی رنجشین
پر کچھ اب کی سرگرانی اور ہے

دیکے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغام زبانی اور ہے

قاطع اعمار ہین اکثر نجوم
وہ بلائے آسمانی اور ہے

ہو چکین غالب بلائین سب تمام
اک مرگ ناگہانی اور ہے

کوئی امید بر نہین آتی
کوئی صورت نظر نہین آتی

موت کا ایکدن معین ہے
نیند کیون رات بھر نہین آتی

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہین آتی

جانتا ہون ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہین آتی

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہون
ورنہ کیا بات کر نہین آتی

کیون نہ چیخون کہ یاد کرتے ہین
میری آواز گر نہین آتی

ہم وہان ہین جہان سے ہمکو بھی
کچھ ہماری خبر نہین آتی

مرتے ہین آرزو مین مرنے کی
موت آتی ہے پر نہین آتی

کعبہ کس منہ سے جاوگے غالب
شرم تمکو مگر نہین آتی

دل نادان تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہم ہین مشتاق اور وہ بیزار
یا الہی یہ ماجرا کیا ہے

مین بھی منہ مین زبان رکھتا ہون
کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

۳۹

جبکہ تجھ بن نہین کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہین
غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے

شکن زلف عنبرین کیون ہے
نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے

سبزہ و گل کہان سے آئے ہین
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

داغ دل گر نظر نہین آتا
بو بھی اے چارہ گر نہین آتی

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں — ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے
ہم کو ان سے وفا کی ہے امید — جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا — اور درویش کی صدا کیا ہے
جان تم پر نثار کرتا ہوں — میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

کہتے ہو تم سب کہ بت غالیہ مو آئے — یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے
ہوں کشمکش نزع میں ہاں جذب محبت — کچھ کہہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے
ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم — آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں گو آئے
ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین — ہاں منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے
جلاد سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے — ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے جس بھیس میں جو آئے
ہاں اہل طلب کون سنے طعنۂ نایافت — دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے
اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں — اس در پہ نہیں بار تو کعبے ہی کو ہو آئے
کی ہمنفسوں نے اثر گریہ میں تقریر — اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھ کو ڈبو آئے

اس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالب
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے — سینہ جویائے زخم کاری ہے
پھر جگر کھودنے لگا ناخن — آمد فصل لالہ کاری ہے
قبلۂ مقصد نگاہ نیاز — پھر وہی پردۂ عماری ہے
چشم دلال جنس رسوائی — دل خریدار ذوق خواری ہے
وہی صد رنگ نالہ فرسائی — وہی صد گونہ اشکباری ہے

دل ہوائے خرام ناز سے پھر
محشرستان بیقراری ہے
جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے
روز بازار جاں سپاری ہے
پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے

قطعہ

پھر کھلا ہے در عدالت ناز
گرم بازار فوجداری ہے
ہو رہا ہے جہان میں اندھیر
زلف کی پھر سرشتہ داری ہے
پھر دیا پارۂ جگر نے سوال
ایک فریاد و آہ و زاری ہے
پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب
اشکباری کا حکم جاری ہے
دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا
آج پھر اس کی روبکاری ہے

بیخودی بے اسبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

جنوں تہمت کش تسکیں نہ ہو گر شادمانی کی
نمک پاش خراش دل ہے لذت زندگانی کی

کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعی آزادی
ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی

پس از مردن بھی دیوانہ زیارتگاہ طفلاں ہے
شرار سنگ نے تربت پہ میری گلفشانی کی

[illegible]

نکوہش ہے سزا فریادی بیداد دلبر کی
مبادا خندۂ دنداں نما ہو صبح محشر کی

رگ لیلیٰ کو خاک دشت مجنوں ریشگی بخشی
اگر بووے بجائے دانہ دہقاں نوک نشتر کی

پر پروانہ شاید بادبان کشتی مے تھا
ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دور ساغر کی

کروں بیداد ذوق پر فشانی عرض کیا قدرت
کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہپر کی

کہاں تک روؤں اس کے خیمے کے پیچھے قیامت ہے
مری قسمت میں یا رب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

۱۳۴

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

سختی کشان عشق کی پوچھے ہے کیا خبر
وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں
تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خونچکاں
اجزائے نالہ دل میں مرے رزق ہم ہوئے

اللہ ری تیری تندیٔ خو جس کے بیم سے
جو پاؤں اٹھ گئے وہی ان کے علم ہوئے

اہل ہوس کی فتح ہے ترک نبرد عشق
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے
جو واں نہ کھنچ سکے سو وہ یاں آ کے دم ہوئے

اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے
نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال
مدت ہوئی کہ آشتیٔ چشم و گوش ہے
مے نے کیا ہے حسن خود آرا کو بے حجاب
اے شوق یاں اجازت تسلیم ہوش ہے
گوہر کو عقد گردن خوباں میں دیکھنا
کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے
دیدار بادہ حوصلہ ساقی نگاہ مست
بزم خیال میکدۂ بے خروش ہے

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
زنہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے
ساقی بہ جلوہ دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے
لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے
یا صبح دم جو دیکھیے آ کر تو بزم میں
نے وہ سرور و سور نہ جوش و خروش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

دیکھ مری جان کو قرار نہیں ہے
طاقتِ بیدادِ انتظار نہیں ہے
دیتے ہیں جنت حیاتِ دہر کے بدلے
نشہ بہ اندازۂ خمار نہیں ہے
گریہ نکالے ہے تیری بزم سے مجھ کو
ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے
ہم سے عبث ہے گمانِ رنجشِ خاطر
خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے
دل سے اٹھا لطفِ جلوہ ہائے معانی
غیرِ گل آئینۂ بہار نہیں ہے
قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے
وائے اگر عہد استوار نہیں ہے

تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے غالب
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

ہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے
کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے
رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخمِ سوزن کی
سمجھیو مت کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے

وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے

... جو رہا ہوں بسکہ میں صحرا نورد
خارِ پا ہیں جوہرِ آئینۂ زانو مجھے
دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت
ہے نگاہِ آشنا تیرا سرِ ہر مو مجھے
ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت کچھ نہ پوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے
جاں کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے
سائے کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر

۴۳

تو اس قدِ دلکش سے جو گلزار میں آوے
تب نازِ گراں مائگیِ اشک بجا ہے
جب لختِ جگر دیدۂ خونبار میں آوے
دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر
کچھ تجھ کو مزا بھی مرے آزار میں آوے
اس چشمِ فسوں گر کا اگر پائے اشارہ
طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے
کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یا رب
اک آبلہ پا وادیِ پرخار میں آوے

مر جاؤں نہ کیوں رشک سے جب وہ تن نازک
آغوش خم حلقۂ زنار میں آوے

غارت گر ناموس نہ ہو گر ہوس زر
کیوں شاہد گل باغ سے بازار میں آوے

تب چاک گریباں کا مزا ہے دل نالاں
جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار میں آوے

آتشکدہ ہے سینہ مرا راز نہاں سے
اے وائے اگر معرض اظہار میں آوے

گنجینۂ معنی کا طلسم اوسکو سمجھیے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

حسن مہ گرچہ بہنگام کمال اچھا ہے
اوس سے میرا مہ خورشید جمال اچھا ہے

بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ
جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغر جم سے مرا جام سفال اچھا ہے

بے طلب دیں تو مزا اوس میں سوا ملتا ہے
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

اونکے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے

دیکھیے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
کام اچھا ہے وہ جسکا کہ مآل اچھا ہے

ہم سخن تیشے نے فرہاد کو شیریں سے کیا
شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

قطرہ دریا میں جو ملجاوے تو دریا ہو جائے
وہ گدا جسکو نہو خوئے سوال اچھا ہے

خضر سلطاں کو رکھے خالق اکبر سرسبز
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

ہمکو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

نہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

خار خار الم حسرت دیدار تو ہے
شوق گلچین گلستان تسلی نہ سہی

مے پرستاں خم مے منہ سے لگائے ہی بنے
ایکدن گر نہوا بزم میں ساقی نہ سہی

نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا
گر نہیں شمع سیہ خانۂ لیلے نہ سہی

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

عشرت صحبت خوباں ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالب اگر عمر طبیعی نہ سہی

سہ

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے
کہ اپنے سایہ سے سر پانو سے ہے دو قدم آگے

قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت
فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے

غم زمانہ نے جھاڑی نشاط عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اوٹھاتے تھے لذت الم آگے

خدا کے واسطے داد اس جنون شوق کی دینا
کہ اوسکے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

یہ عمر بھر جو پریشانیاں اوٹھائی ہیں ہمنے
تمہارے آئیو اے طرہ ہائے خم بخم آگے

دل و جگر میں پرافشاں جو ایک موجۂ خوں ہے
ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اوسکو دم آگے

قسم جنازہ پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

شکوہ کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے
یہ بھی مت کہہ کہ جو کہیے تو گلا ہوتا ہے

پر ہوں میں شکوہ سے یوں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

گو سمجھتا نہیں پر حسن تلافی دیکھو
شکوۂ جور سے سرگرم جفا ہوتا ہے

عشق کی راہ میں ہے چرخ مکوکب کی وہ چال
سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

کیوں نہ ٹھہریں ہدف ناوک بیداد کہ ہم
آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ
کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

خامہ میرا کہ وہ ہے باربد بزم سخن
شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے

اے شہنشاہ کواکب سپہ و مہر علم
تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے

سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے
تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے

ہر مہینے میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال
آستاں پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے

میں جو گستاخ ہوں آئین غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

نہ شعلہ میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا
کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہے

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
وگرنہ خوف بدآموزی عدو کیا ہے

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفام مشکبو کیا ہے

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

میں انہیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں
چل نکلتے جو مے پیے ہوتے

۴۴

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاشکے تم مرے لیے ہوتے

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یارب کئی دیے ہوتے

آ ہی جاتا وہ راہ پر غالب
کوئی دن اور بھی جیے ہوتے

[illegible] مجلس میں [illegible]
[illegible]

خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ
ہتھکنڈے ہیں چرخِ نیلی فام کے
خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
رات پی زمزم پہ مے اور صبح دم
دھوئے دھبے جامۂ احرام کے
دل کو آنکھوں نے پھنسایا کیا مگر
یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے
شاہ کے ہے غسلِ صحت کی خبر
دیکھیے کب دن پھریں حمام کے

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پھر اس انداز سے بہار آئی
کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی
دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک
اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر
روکشِ سطحِ چرخِ مینائی
سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا روئے آب پر کائی
سبزہ و گل کو دیکھنے کے لئے
چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی
ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
بادہ نوشی ہے بادہ پیمائی

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
شاہ دیندار نے شفا پائی

تغافل دوست ہوں میرا دماغِ عجز عالی ہے
اگر پہلو تہی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے
رہا آباد عالم اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

کب وہ سنتا ہے کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری
خلشِ غمزۂ خونریز نہ پوچھ
دیکھ خونابہ فشانی میری
کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار
مگر آشفتہ بیانی میری
ہوں ز خود رفتۂ بیدائے خیال
بھول جانا ہے نشانی میری

متقابل ہے مقابل میرا
رک گیا دیکھ روانی میری
قدرِ سنگِ سرِ رہ رکھتا ہوں
سخت ارزاں ہے گرانی میری
گرد بادِ رہِ بیتابی ہوں
صرصرِ شوق ہے بانی میری
دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا
کھل گئی ہیچ مدانی میری
کر دیا ضعف نے عاجز غالب
ننگِ پیری ہے جوانی میری

۴۵

نقشِ نازِ بتِ طناز بآغوشِ رقیب
پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے
تو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے
غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے
وہ تبِ عشق تمنا ہے کہ پھر صورتِ شمع
شعلہ تا نبضِ جگر ریشہ دوانی مانگے

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے
ہر غنچہ کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

وان کنگرۂ استغنا ہر دم ہے بلندی پہ	یان نالہ کو اور الٹا دعوائے رسائی ہے

از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے
جو داغ نظر آیا ایک چشم نمائی ہے

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی	لکھیو یارب اوسی قسمت مین عدو کی
اچھا ہے سر انگشت حنائی کا تصور	دل مین نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

کیون ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے
یان تو کوئی سنتا نہین فریاد کسو کی

دشنے نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو	خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب
حسرت مین رہا ایک بت عربدہ جو کی

سیماب پشت گرمی آئینہ دے ہے ہم	حیران کیے ہوئے ہین دل بیقرار کے

آغوش گل کشودہ برائے وداع ہے
اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

ہے وصل ہجر عالم تمکین و ضبط مین	معشوق شوخ و عاشق دیوانہ چاہیے

اس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہان
شوق فضول و جرأت رندانہ چاہیے

چاہیے اچھون کو جتنا چاہیے	یہ اگر چاہین تو پھر کیا چاہیے
صحبت رندان سے واجب ہے حذر	جائے مے اپنے کو کھینچا چاہیے
چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل	بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے
چاک مت کر جیب بے ایام گل	کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیے
دوستی کا پردہ ہے بیگانگی	منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے

دشمنی نے میری کھویا غیر کو
کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے
اپنی رسوائی مین کیا چلتی ہے سعی
یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے
منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
ناامیدی اوس کی دیکھا چاہیے
غافل ان ماہ طلعتون کے واسطے
چاہنے والا بھی اچھا چاہیے
چاہتے ہین خوبرویون کو اسد

[illegible]

اثر آبلہ سے جادۂ صحرائے جنون
صورت رشتۂ گوہر ہے چراغان مجھے

بیخودی بستر تمہید فراغت ہو جو
پر ہے سایہ کیطرح میرا شبستان مجھے

شوق دیدار مین گر تو مجھے گردن مارے
ہو نگہ مثل گل شمع پریشان مجھے

بیکسیہائے شب ہجر کی وحشت ہے ہے
سایہ خورشید قیامت مین ہے پنہان مجھے

گردش ساغر جلوۂ صد رنگین تجھسے
آئینہ داری یک دیدۂ حیران مجھے

نگہ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسد
ہے چراغان خس و خاشاک گلستان مجھے

نکتہ چین ہے غم دل اسکو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہان بات بنائے نہ بنے

مین بلاتا ہون اسکو مگر اے جذبۂ دل
اسپہ بنجائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

کھیل سمجھا ہے کہین چھوڑ نہ دے بھول نہ جاے
کاش یون بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لیے یون تیرے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہین تو کیا
ہاتھ آوین تو انہین ہاتھ لگائے نہ بنے

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کسکی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اسنے کہ اٹھائے نہ بنے

موت کی راہ نہ دیکھون کہ بن آئے نہ رہے
تمکو چاہون کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہین ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

چاک کی خواہش اگر وحشت بعریانی کرے
صبح کی مانند زخم دل گریبانی کرے

جلوہ کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال
دیدۂ دل کو زیارتگاہ حیرانی کرے

ہے شکستن سے بھی دل نومید یارب کب تلک
آبگینہ کوہ پر عرض گرانجانی کرے

میکدہ گر چشم مست ناز سے پاوے شکست
موے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے

[illegible]

۴۷

اسد [illegible] عذاب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] تار بستر ہے
[illegible] بستر ہے
دل بیدست و پا افتادہ برخوردار بستر ہے
خوشا اقبال رنجوری عیادت کو تم آئے ہو
فروغ شمع بالین طالع بیدار بستر ہے
[illegible]

بطوفان گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی
شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تارِ بستر ہے

ابھی آتی ہے بو بالش سے اس کی زلفِ مشکیں کی
ہماری دید کو خوابِ زلیخا عارِ بستر ہے

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یار میں غالب
کہ بیتابی سے ہر یک تارِ بستر خارِ بستر ہے

خطر ہے رشتۂ الفت رگِ گردن نہ ہو جاوے
غرورِ دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جاوے

سمجھ اس فصل میں کوتاہیِ نشو و نما غالب
اگر گل سرو کی قامت پہ پیراہن نہ ہو جاوے

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابندِ نے نہیں ہے

کیوں بوتے ہیں باغباں تونبے
گر باغ گدائے مے نہیں ہے

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے
پر تجھ سی کوئی شے نہیں ہے

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

شادی سے گذر کہ غم نہ ہووے
اردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے

کیوں ردِ قدح کرے ہے زاہد
مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب
آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحتِ دل کا
کہ اس میں ریزۂ الماس جزوِ اعظم ہے

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے
مرتے ہیں ولے ان کی تمنا نہیں کرتے

در پردہ انہیں غیر سے ہے ربطِ نہانی
ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردا نہیں کرتے

یہ باعثِ نومیدیِ اربابِ ہوس ہے
غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسبِ رنگِ فروغ
خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گلچیں ہے

کبھی تو اس دلِ شوریدہ کی بھی داد ملے
کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے

بجا ہے گر نہ سنے نالہ ہائے بلبلِ زار
کہ گوشِ گل نمِ شبنم سے پنبہ آگیں ہے

اسد ہے نزع میں چل بیوفا برائے خدا
مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں ہے

کیوں نہ ہو چشمِ بتاں محوِ تغافل [illegible]

کیوں نہ ہو چشمِ بتاں محوِ تغافل کیوں نہ ہو
یعنی اس بیمار کو نظارے سے پرہیز ہے

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
وائے ناکامی کہ اس کافر کا خنجر تیز ہے

عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد
جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہے

[illegible]

ہوا رقیب تو ہو [illegible]

[illegible]

رہے ہے یوں گہ و بیگہ کہ کوئے دوست کو اب
اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے

زہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب
کہ بن کہے ہی انہیں سب خبر ہے کیا کہیے

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسش حال
کہ یہ کہے کہ سر رہگذر ہے کیا کہیے

تمہیں نہیں ہے سر رشتۂ وفا کا خیال
ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہیے

انہیں سوال پہ زعم جنوں ہے کیوں لڑیے
ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کہیے

حسد سزائے کمال سخن ہے کیا کیجے
ستم بہائے متاع ہنر ہے کیا کہیے

کہا ہے کس نے کہ غالب برا نہیں لیکن
سوائے اسکے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیے

دیکھکر در پردہ گرم دامن افشانی مجھے
کر گئی وابستۂ تن میری عریانی مجھے

بن گیا تیغ نگاہ یار کا سنگ فسان
مرحبا میں کیا مبارک ہے گرانجانی مجھے

کیوں نہ ہو بے التفاتی اسکی خاطر جمع ہے
جانتا ہے محو پرسشہائے پنہانی مجھے

میرے غمخانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی
لکھدیا منجملۂ اسباب ویرانی مجھے

وائے واں بھی شور محشر نے نہ دم لینے دیا
اس قدر ذوق نوائے مرغ بستانی مجھے

وعدہ آنیکا وفا کیجیے یہ کیا انداز ہے
لیگیا تھا گور میں ذوق تن آسانی مجھے

ہاں نشاط آمد فصل بہاری واہ واہ
تمنے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی
میرزا یوسف ہے غالب یوسف ثانی مجھے

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامۂ یارب مجھے
سبحۂ زاہد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے

ہے کشاد خاطر وابستہ در رہن سخن
تھا طلسم قفل ابجد خانۂ مکتب مجھے

یارب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیے
رشک آسایش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے

بدگمان ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاشکے
پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزلخوانی مجھے

[illegible] غالب [illegible]
[illegible] کام و دہن کی آزمائش ہے
[illegible] دار و رسن کی آزمائش ہے
[illegible] امتحان [illegible]

۴۹

[illegible] ہستی کی بیہودگی تنہا کی آزمائش ہے
نسیم مصر کو کیا پیر کنعاں کی ہوا خواہی
اسے یوسف کی بوئے پیرہن کی آزمائش ہے
وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھے
شکیب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہے
رہے دل ہی میں تیر اچھا جگر کے پار ہو بہتر
غرض شست بت ناوک فگن کی آزمائش ہے
نہیں کچھ سبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

پڑا رہ اے دل وابستہ بیتابی سے کیا حاصل
مگر پھر تاب زلف پرشکن کی آزمائش ہے

رگ و پے میں جب اترے زہر غم تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش ہے

وہ آویں گے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالب
نئے فتنوں میں اب چرخ کہن کی آزمائش ہے

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آ جائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

وہ بدخو اور میری داستان عشق طولانی
عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

ادھر وہ بدگمانی ہے ادھر یہ ناتوانی ہے
نہ پوچھا جائے ہے اس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامان خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبرد عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

زبسکہ مشق تماشا جنوں علامت ہے
کشاد و بست مژہ سیلی ندامت ہے

نجانوں کیونکہ مٹے داغ طعن بدعہدی
تجھے کہ آئینہ بھی ورطۂ ملامت ہے

بہ پیچ و تاب ہوس سلک عافیت مت توڑ
نگاہ عجز سر رشتۂ سلامت ہے

وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد
جنون ساختہ و فصل گل قیامت ہے

ڈر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے
کیا تعجب ہے کہ [illegible]
[illegible]

[illegible] دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے
[illegible] کوئی [illegible] بچا دے مجھے
[illegible] آنکھوں میں [illegible] مجھے

یاں [illegible] گرفتار [illegible] وہ خوش ہیں کہ ہم [illegible]
[illegible]

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے
۵۰
گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

سچ کہتے ہو خودبین و خودآرا ہوں نہ کیوں ہوں
بیٹھا ہے بت آئینہ سیما مرے آگے

پھر دیکھیے انداز گل افشانی گفتار
رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

نفرت کا گماں گزرے ہے میں رشک سے گزرا
کیونکر کہوں لو نام نہ ان کا مرے آگے

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام
مجنوں کو برا کہتی ہے لیلیٰ مرے آگے

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے

ہے موجزن اک قلزم خوں کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز ہے میرا
غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے
تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے

نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے

وہ نیشتر سہی پر دل میں جب اتر جاوے
نگاہ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے

نہیں ذریعۂ راحت جراحت پیکاں
وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہیے

جو مدعی بنے اسکے نہ مدعی بنیے
جو ناسزا کہے اسکو نہ ناسزا کہیے

کہیں حقیقت جانکاہی مرض لکھیے
کہیں مصیبت ناسازی دوا کہیے

کبھی شکایت رنج گراں نشیں کیجے
کبھی حکایت صبر گریز پا کہیے

رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجے
کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

نہیں نگار کو الفت نہ ہو نگار تو ہے
روانی روش و مستی ادا کہیے

نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے
طراوت چمن و خوبی ہوا کہیے

سفینہ جبکہ کنارہ پہ آلگا غالب
خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے
دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے

صرف بہائے مے ہوئے آلات میکشی
تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

٥١

[illegible]

کلفت افسردگی کو عیش بیتابی حرام
ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے

سوزش باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں
دل محیط گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

حسن بے پروا خریدار متاع جلوہ ہے
آئینہ زانوئے فکر اختراع جلوہ ہے

تا کجا اے آگہی رنگ تماشا باختن
چشم وا گردیدہ آغوش وداع جلوہ ہے

جبتک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھسے راہ سخن وا کرے کوئی

عالم غبار وحشت مجنوں ہے سربسر
کب تک خیال طرۂ لیلا کرے کوئی

افسردگی نہیں طرب انشائے التفات
ہاں درد بنکے دلمیں مگر جا کرے کوئی

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

چاک جگر سے جب رہ پرسش نہ وا ہوئے
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی

لخت جگر سے ہے رگ ہر خار شاخ گل
تا چند باغبانی صحرا کرے کوئی

ناکامی نگاہ ہے برق نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھکو تماشا کرے کوئی

ہر سنگ و خشت ہے صدف گوہر شکست
نقصان نہیں جنون سے جو سودا کرے کوئی

سربر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر
فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی

ہے وحشت طبیعت ایجاد یاس خیز
یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

بیکاری جنون کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسد
پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

شرع و آئین پر مدار سہی
ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

حال جیسے کڑے کمان کا تیر
دل میں کہ جا کرے کوئی

بات پر واں زبان کٹتی ہے
وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

بک رہا ہوں جنون میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

نہ سنو گر برا کہے کوئی
نہ کہو گر برا کرے کوئی

روک لو گر غلط چلے کوئی

۵۷

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند
کس کی حاجت روا کرے کوئی

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

[illegible]

سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی
یقیں ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہے

باغ پاکر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے | سایۂ شاخ گل افعی نظر آتا ہے مجھے
جوہر تیغ بہ سر چشمۂ دیگر معلوم | ہوں میں وہ سبزہ کہ زہراب اگاتا ہے مجھے
مدعا محو تماشائے شکست دل ہے | آئینہ خانے میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے
نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کف خاک | آسماں بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے
زندگی میں تو وہ محفل سے اوٹھا دیتے تھے | دیکھوں اب مر گئے پر کون اوٹھاتا ہے مجھے

روندی ہوئی ہے کوکبۂ شہریار کی | اترائے کیوں نہ خاک سر رہگذار کی
جب اوسکے دیکھنے کیلئے آئیں بادشاہ | لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی
بھوکے نہیں ہیں سیر گلستاں کے ہم ولے | کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے | بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے
ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہیگا اوسکی گردن پر | وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دم بدم نکلے
نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن | بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے
بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا | اگر اس طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے
مگر لکھوائے کوئی اوسکو خط تو ہم سے لکھوائے | ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھکر قلم نکلے
ہوئی اس دور میں منسوب مجھسے بادہ آشامی | پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جام جم نکلے
ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانیکی | وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے
محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا | اوسیکو دیکھکر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

کوہ کے ہوں بار خاطر گر صدا ہو جائیے | بے تکلف اے شرار جستہ کیا ہو جائیے

۵۳

آمد سیلاب طوفان صدائے آب ہے
نقش پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ سے
بزم مے وحشت کدہ ہے کس کی چشم مست کا
شیشے میں نبض پری پنہاں ہے موج بادہ سے

[illegible]

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
حسرت نے لا رکھا تری بزمِ خیال میں
گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے
پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا
افسونِ انتظار تمنا کہیں جسے
سر پر ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالیے
وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے
ہے چشمِ تر میں حسرتِ دیدار سے نہاں
شوقِ عناں گسیختہ دریا کہیں جسے
درکار ہے شگفتنِ گلہائے عیش کو
صبحِ بہار پنبۂ مینا کہیں جسے
[illegible]

۵

ہجومِ نالہ حیرت عاجزِ عرضِ یک افغاں ہے
خموشی ریشۂ صد نیستاں سے خس بدنداں ہے
تکلف برطرف ہے جانستاں تر لطفِ بدخویاں
نگاہِ بے حجابِ ناز تیغِ تیزِ عریاں ہے
ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی
کہ صبحِ عید مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے
دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے
کہ اس بازار میں ساغر متاعِ دستگرداں ہے
غم آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو
چراغِ روشن اپنا قلزمِ صرصر کا مرجاں ہے

خموشی میں تماشا ادا نکلتی ہے
نگاہ دل سے تری سرمہ سا نکلتی ہے
فشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم
صبا جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہے
نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ
کہ زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے

جس جا نسیم شانہ کشِ زلفِ یار ہے
نافہ دماغِ آہوئے دشتِ تتار ہے
کس کا سراغِ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا
آئینہ فرشِ شش جہتِ انتظار ہے
ہے ذرہ ذرہ تنگیِ جا سے غبارِ شوق
گر دام یہ ہے وسعتِ صحرا شکار ہے
دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ
نظارہ کا مقدمہ پھر روبکار ہے
چھڑکے ہے شبنم آئینۂ برگِ گل پر آب
اے عندلیب وقتِ وداعِ بہار ہے
پچ آ پڑی ہے وعدۂ دلدار کی مجھے
وہ آئے یا نہ آئے پہ یاں انتظار ہے
بے پردہ سوئے وادیِ مجنوں گزر نہ کر
ہر ذرہ کے نقاب میں دل بے قرار ہے
اے عندلیب یک کفِ خس بہرِ آشیاں
طوفانِ آمدِ آمدِ فصلِ بہار ہے
دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی
اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے
غفلت کفیلِ عمر و اسد ضامنِ نشاط
اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

شعلے سے نہ ہوتی ہوس شعلہ نے جو کی
جی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے

تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق
آئینہ بانداز گل آغوش کشا ہے

قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ
اے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے

خو نے تیری افسردہ کیا وحشت دل کو
معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے

مجبوری و دعوائے گرفتاری الفت
دست تہ سنگ آمدہ پیمان وفا ہے

معلوم ہوا حال شہیدان گذشتہ
تیغ ستم آئینہ تصویر نما ہے

اے پرتو خورشید جہانتاب ادھر بھی
سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

بیگانگی خلق سے بیدل نہ ہو غالب
کوئی نہیں تیرا تو میری جان خدا ہے

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی
قسمت کھلی تیرے قد و رخ کی ظہور کی

اک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا
کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
گویا ابھی سنی نہیں آواز صور کی

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبہ سے ان بتوں کو بھی ہے نسبت ہے دور کی

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے
یہ رنج کہ کم ہے مے گلفام بہت ہے

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہے یوں کہ مجھے درد تہ جام بہت ہے

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی
پاداش عمل کی طمع خام بہت ہے

ہیں اہل خرد کس روش خاص پہ نازاں
پابستگی رسم و رہ عام بہت ہے

زمزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوف حرم سے
آلودہ بہ مے جامۂ احرام بہت ہے

ہے قہر گر اب بھی نہ بنے بات کہ ان کو
انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے

خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ
رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوش قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوت مژگاں کیے ہوئے

پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے

پھر گرم نالہ ہائے شرربار ہے نفس
مدت ہوئی ہے سیر چراغاں کیے ہوئے

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

پھر بھر رہا ہے خامۂ مژگاں بخون دل
ساز چمن طرازی داماں کیے ہوئے

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کیے ہوئے

دل پھر طواف کوئی ملامت کو جائی ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرض متاع عقل و دل و جاں کیے ہوئے

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذر دلفریبی عنواں کیے ہوئے

مانگے ہے پھر کسیکو لب بام پر ہوس
زلف سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے

چاہے ہے پھر کسیکو مقابل میں آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے

اک نوبہار ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغ مے سے گلستاں کیے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیر بار منت درباں کیے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

نوید امن ہے بیداد دوست جاں کے لیے
رہی نہ طرز ستم کوئی آسماں کے لیے

بلا سے گر مژۂ یار تشنۂ خوں ہے
رکھوں کچھ اپنی بھی مژگان خوں فشاں کے لیے

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لیے

رہا بلا میں بھی میں مبتلائے آفت رشک
بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کے لیے

قطعہ

فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں
درازدستی قاتل کے امتحاں کے لیے

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے

بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے
بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

نصیر دولت و دیں اور معین ملت و ملک
بنا ہے چرخ بریں جس کے آستاں کے لیے

زمانہ عہد میں اس کے ہے محو آرائش
بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لیے

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

قصائد

تمام ہوئیں یہاں تک غزلیں دیوان غالب کی آگے قصائد اور قطعات ہیں

قصائد

ساز یک ذرہ نہیں فیض چمن سے بیکار
سایۂ لالۂ بیداغ سویدائے بہار

مستی باد صبا سے ہے بعرض سبزہ
ریزۂ شیشۂ مے جوہر تیغ کہسار

سبز ہے جام زمرد کی طرح داغ پلنگ
تازہ ہے ریشۂ نارنج صفت روئے شرار

مستی ابر سے گلچیں طرب ہے حسرت
کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار

کوہ و صحرا ہمہ معموری شوق بلبل
راہ خوابیدہ ہوئی خندۂ گل سے بیدار

سونپے ہے فیض ہوا صورت مژگان یتیم
سرنوشت دو جہاں ابر بیک سطر غبار

کاٹ کر پھینکیے ناخن تو بانداز ہلال
قوت نامیہ اسکو بھی نچھوڑے بیکار

کف ہر خاک بگردوں شدہ قمری پرواز
دام ہر کاغذ آتش زدہ طاؤس شکار

میکدہ میں ہو اگر آرزوئے گل چینی
بھول جا یک قدح بادہ بطاق گلزار

موج گل ڈھونڈ بخلوتکدۂ غنچۂ باغ
گم کرے گوشۂ میخانہ میں گر تو دستار

کھینچے گر مانی اندیشہ چمن کی تصویر
سبز مثل خط نوخیز ہو خط پرکار

لعل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحت شاہ
طوطی سبزۂ کہسار نے پیدا منقار

وہ شہنشاہ کہ جسکی پئے تعمیر سرا
چشم جبریل ہوئی قالب خشت دیوار

فلک العرش ہجوم خم دوش مزدور
رشتۂ فیض ازل ساز طناب معمار

تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گردوں
سلک اختر میں مہ نو مژہ گوہر بار

ہم عبادت کو ترا نقش قدم مہر نماز
ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظہار

سبزۂ نہ چمن و یک خط پشت لب بام
رفعت ہمت صد عارف و یک اوج حصار

واں کی خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پر کاہ
وہ رہے مروحۂ بال پری سے بیزار

خاک صحرائے نجف جوہر سیر عرفا
چشم نقش قدم آئینۂ بخت بیدار

ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینۂ ناز
گرد اس دشت کی امید کو احرام بہار

آفرینش کو ہے واں سے طلب مستی ناز
عرض خمیازۂ ایجاد ہے ہر موج غبار

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہے اے شمع شبستان بہار
دل پروانہ چراغاں پر بلبل گلزار

شکل طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز
ذوق میں جلوہ کے تیرے بہوائے دیدار

تیری اولاد کے غمسے ہے بروے گردون
سلک اختر مین مہ نو مژہ گوہر بار

ہم عبادت کو ترے نقش قدم مہر نماز
ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظہار

مدح مین تیرے نہان زمزمہ نعت نبی
جام سے تیرے عیان بادہ جوش اسرار

جوہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر
یکطرف نازش مژگان و دگر سو غم خار

مردمک سے ہو عزا خانہ اقبال نگاہ
خاک در کی ترے جو چشم نہو آئینہ دار

دشمن آل نبی کو بطرب خانہ دہر
عرض خمیازہ سیلاب ہو طاق دیوار

دیدہ تا دل اسد آئینہ یک پرتو شوق
فیض معنی سے خط ساغر راقم سرشار

قصیدہ

دہر جز جلوہ یکتائی معشوق نہین
ہم کہان ہوتے اگر حسن نہوتا خودبین

بیدلیہاے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بیکسیہاے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دین

ہرزہ ہے نغمہ زیر و بم ہستی و عدم
لغو ہے آئینہ فرق جنون و تمکین

نقش معنی ہمہ خمیازہ عرض صورت
سخن حق ہمہ پیمانہ ذوق تحسین

لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم
درد یک ساغر غفلت ہے چہ دنیا چہ دین

مثل مضمون وفا باد بدست تسلیم
صورت نقش قدم خاک بفرق تمکین

عشق بیربطی شیرازہ اجزاے حواس
وصل زنگار رخ آئینہ حسن یقین

کوہکن گرسنہ مزدور طربگاہ رقیب
بیستون آئینہ خواب گران شیرین

کسنے دیکھا نفس اہل وفا آتش خیز
کسنے پایا اثر نالہ دلہاے حزین

سامع زمزمہ اہل جہان ہون لیکن
نہ سر و برگ ستایش نہ دماغ نفرین

کس قدر ہرزہ سرا ہون کہ عیاذا باللہ
یکقلم خارج آداب وقار و تمکین

نقش لاحول لکھ اے خامہ ہذیان تحریر
یا علی عرض کر اے فطرت وسواس قرین

مظہر فیض خدا جان و دل ختم رسل
قبلہ آل نبی کعبہ ایجاد یقین

ہو وہ سرمایہ ایجاد جہان گرم خرام
ہر کف خاک ہے وان گردہ تصویر زمین

جلوہ پرداز ہو نقش قدم اوسکا جسجا
وہ کف خاک ہے ناموس دو عالم کی امین

نسبت نام سے اوسکی ہے یہ رتبہ کہ رہے
ابدا پشت فلک خم شدہ ناز زمین

۵۸

فیض خلق اوسکا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا
بوے گل سے نفس باد صبا عطر آگین

برش تیغ کا اوسکی ہے جہان مین چرچا
قطع ہو جاے نہ سر رشتہ ایجاد کہین

کفر سوز اوسکا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے
رنگ عاشق کی طرح رونق بتخانہ چین

جان پناہا دل و جان فیض رسانا شاہا
وصی ختم رسل تو ہے بفتواے یقین

جسم اطہر کو ترے دوش پیمبر منبر | نام نامی کو ترے ناصیۂ عرش نگین

کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب | شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئین

آستان پر ہے ترے جوہر آئینۂ سنگ | رقم بندگی حضرت جبریل امین

تیرے در کے لئے اسباب نثار آمادہ | خاکیوں کو جو خدا نے دیئے جان و دل و دین

تیری مدحت کیلئے ہیں دل و جان کام و دہن | تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبین

کس سے ہو سکتی ہے مداح ممدوح خدا | کس سے ہو سکتی ہے آرائش فردوس بریں

جنس بازار معاصی اسد اللہ اسد | کہ سوا تیرے کوئی اسکا خریدار نہیں

شوخی عرض مطالب میں ہے گستاخ طلب | ہے ترے حوصلۂ فضل پہ ازبسکہ یقین

دے دعا کو میرے رتبۂ حسن قبول | کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آمین

غم شبیر سے ہو سینہ یہانتک لبریز | کہ رہیں خون جگر سے میری آنکھیں رنگین

طبع کو الفت دلدل میں یہ سرگرمی شوق | کہ جہانتک چلے اُس سے قدم اور مجھسے جبین

دل الفت نسب و سینۂ توحید فضا | نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزین

صرف اعدا اثر شعلۂ دود دوزخ
وقف احباب گل و سنبل فردوس بریں

قصیدہ

ہان مہ نو سنیں ہم اوس کا نام | جسکو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

دو دن آیا ہے تو نظر دم صبح | یہی انداز اور یہی اندام

بارے دو دن کہان رہا غائب | بندہ عاجز ہے گردش ایام

اڑ کے جاتا کہان کہ تارون کا | آسمان نے بچھا رکھا تھا دام

مرحبا اے سرور خاص خواص | حبذا اے نشاط عام عوام

عذر میں تین دن نہ آنے کے | لے کے آیا ہے عید کا پیغام

اوسکو بھولا نہ چاہیے کہنا | صبح جو جائے اور آئے شام

ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا | تیرا آغاز اور ترا انجام

راز دل مجھ سے کیون چھپاتا ہے | مجھکو سمجھا ہے کیا کہیں نمام

جانتا ہون کہ آج دنیا میں

۵۹

ایک ہی ہے امیدگاہ انام

میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش | غالب اوسکا مگر نہیں ہے غلام

جانتا ہون کہ جانتا ہے تو | تب کہا ہے بطرز استفہام

مہر تابان کو ہو تو ہو اے ماہ | قرب ہر روزہ بر سبیل دوام

تجھکو کیا پایہ روشناسی کا | جز بتقریب عید ماہ صیام

تو نہین جانتا تو مجھسے سن
نام شاہنشہ بلند مقام
قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ
مظہر ذوالجلال والاکرام
شہسوار طریقۂ انصاف
نو بہار حدیقۂ اسلام
جسکا ہر فعل صورت اعجاز
جسکا ہر قول معنئ الہام
بزم مین میزبان قیصر و جم

رزم مین اوستاد رستم و سام
اے ترا لطف زندگی افزا
اے ترا عہد فرخی فرجام
چشم بد دور خسروانہ شکوہ
لوحش اللہ عارفانہ کلام
جان نثارون مین تیرے قیصر روم
جرعہ خوارون مین تیرے مرشد جام
وارث ملک جانتے ہین تجھے
ایرج و تور و خسرو و بہرام

جانتا ہون کہ اوسکے فیض سے تو
پھر بنا چاہتا ہے ماہ تمام
ماہ بن ماہتاب بن مین کون
مجھکو کیا بانٹ دیگا انعام
میرا اپنا جدا معاملہ ہے
اور کے لین دین سے کیا کام
ہے مجھے آرزوئے بخشش خاص
گر تجھے ہے امید رحمت عام
جو کہ بخشیگا تجھکو فر فروغ
کیا نہ دیگا مجھے مے گلفام
جبکہ چودہ منازل فلکی
کر چکی قطع تیری تیزی گام
تیرے پرتو سے ہون فروغ پذیر
کوئے و مشکوئے و صحن و منظر و بام
دیکھنا میرے ہاتھ مین لبریز
اپنی صورت کا اک بلورین جام
پھر غزل کی روش پہ چل نکلا
توسن طبع چاہتا تھا لگام

غزل

زہر غم کر چکا تھا میرا کام
تجھکو کسنے کہا کہ ہو بدنام
مے ہی پھر کیون نہ مین پئے جاؤن
غم سے جب ہو گئی ہو زیست حرام
بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے
کہ نہ سمجھین وہ لذت دشنام
اوس قدح کا ہے دور مجھکو نقد
چرخ نے لی ہے جس سے گردش جام
بوسہ دیتے ہین اونکو ہے انکار
دل کے لینے مین جنکو تھا ابرام

چھیڑتا ہون کہ اونکو غصہ آوے
کیون رکھون ورنہ غالب اپنا نام

کہہ چکا مین تو سب کچھ اب تو کہہ
اے پری چہرہ پیک تیز خرام
کون ہے جسکے در پہ ناصیہ سا
ہین ماہ و مہر و زہرہ و بہرام

زور بازو مین مانتے ہین سب تجھے / گیو و گودرز و بیژن و رہام
مرحبا موشگافیِ ناوک / آفرین آبداریِ صمصام
تیر کو تیرے تیرِ غیر ہدف / تیغ کو تیرے تیغِ خصم نیام
رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند / برق کو دے رہا ہے کیا الزام
تیرے فیلِ گران جسد کی صدا / تیرے رخشِ سبک عنان کا خرام
فنِ صورت گری مین تیرا گرز / گر نہ رکھتا ہو دستگاہِ تمام
اُسکی مضروب کی سر و تن سے / کیون نمایان ہو صورتِ ادغام
جب ازل مین رقم پذیر ہوئے / صفحہ ہائے لیالی و ایام
اور ان اوراق مین بہ کلکِ قضا / مجملاً مندرج ہوئے احکام
لکھدیا شاہدون کو عاشق کش / لکھدیا عاشقون کو دشمن کام
آسمان کو کہا گیا کہ کہین / گنبدِ تیز گردِ نیلی فام
حکمِ ناطق لکھا گیا کہ لکھین / خال کو دانہ اور زلف کو دام
آتش و آب و باد و خاک نے لی / وضعِ سوز و نم و رم و آرام
مہرِ رخشان کا نام خسروِ روز / ماہِ تابان کا اسمِ شحنۂ شام
تیری توقیعِ سلطنت کو بھی / دی بدستور صورتِ ارقام
کاتبِ حکم نے بموجبِ حکم / اس رقم کو دیا طرازِ دوام
ہے ازل سے روائیِ آغاز / ہو ابد تک رسائیِ انجام

قصیدہ

صبحدم دروازۂ خاور کھلا / مہرِ عالمتاب کا منظر کھلا
خسروِ انجم کے آیا صرف مین / شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا
وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود / صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا
ہین کواکب کچھ نظر آتے ہین کچھ / دیتے ہین دھوکا یہ بازیگر کھلا
سطحِ گردون پر پڑا تھا رات کو / موتیون کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانبِ مشرق نظر / اک نگارِ آتشین رخ سر کھلا
تھی نظر بندی کیا جب ردِ سحر / بادۂ گلرنگ کا ساغر کھلا
لا کے ساقی نے صبوحی کے لیے / رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا
بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ / کعبۂ امن و امان کا در کھلا
تاجِ زرین مہرِ تابان سے سوا / خسروِ آفاق کے منہ پر کھلا

نامہ کے ساتہ آگیا پیغام مرگ
رہ گیا خط میری چہاتی پر کہلا
دیکہیو غالب سے گر اولجہا کوئی
ہے ولی پوشیدہ اور کافر کہلا
پہر ہوا مدحت طرازی کا خیال
پہر مہ و خورشید کا دفتر کہلا
خامے نے پائی طبیعت سے مدد
بادبان بہی اوٹہتے ہی لنگر کہلا
مدح سے ممدوح کی دیکہے شکوہ

۶۳

یان عرض سے رتبۂ جوہر کہلا
مہر کانپا چرخ چکر کہا گیا
بادشاہ کا رایت لشکر کہلا
بادشاہ کا نام لیتا ہے خطیب
اب علو پایۂ منبر کہلا
سکۂ شہ کا ہوا ہے روشناس
اب عیار آبروے زر کہلا

شاہ روشن دل بہادر شہ کہ ہے
راز ہستی اوس پہ سر تا سر کہلا
وہ کہ جسکی صورت تکوین مین
مقصد نہ چرخ و ہفت اختر کہلا
وہ کہ جسکی ناخن تاویل سے
عقدۂ احکام پیغمبر کہلا
پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام
اوسکے سرہنگون کا جب دفتر کہلا
روشناسونکی جہان فہرست ہے
وان لکہا ہے چہرۂ قیصر کہلا
توسن شہ مین ہے وہ خوبی کہ جب
تہان سے وہ غیرت صرصر کہلا
نقش پا کی صورتین وہ دلفریب
تو کہے بتخانۂ آذر کہلا
مجہہ پہ فیض تربیت سے شاہ کی
منصب مہر و مہ و محور کہلا
لاکہہ عقدے دل مین تہے لیکن ہر ایک
میری حد وسع سے باہر کہلا
تہا دل وابستہ قفل بے کلید
کسنے کہولا کب کہلا کیونکر کہلا
باغ معنی کی دکہاؤنگا بہار
مجہسے گر شاہ سخن گستر کہلا
ہو جہان گرم غزل خوانی نفس
لوگ جانین طبلۂ عنبر کہلا

غزل

کنج مین بیٹہا رہون یون پر کہلا
کاش کے ہوتا قفس کا در کہلا
ہم پکارین اور کہلے یون کون جائے
یار کا دروازہ پاوین گر کہلا
ہمکو ہے اس رازداری پر گہمنڈ
دوست کا ہے راز دشمن پر کہلا
واقعی دل پر بہلا لگتا تہا داغ
زخم لیکن داغ سے بہتر کہلا
ہاتہہ سے رکہدی کب ابرو نے کمان
کب کمر سے غمزہ کی خنجر کہلا
مفت کا کسکو برا ہے بدرقہ
رہروی مین پردۂ رہبر کہلا
سوز دل کا کیا کرے باران اشک
آگ بہڑکی مینہ اگر دم بہر کہلا

شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ / اب مآلِ سعیِ اسکندر کھلا
ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے / اب فریبِ طغرل و سنجر کھلا
ہو سکے کیا مدح ہاں اک نام ہے / دفترِ مدحِ جہاں داور کھلا
فکر اچھی پر ستایش نا تمام / عجزِ اعجازِ ستایش گر کھلا
جانتا ہوں ہے خطِ لوحِ ازل / تم پہ اے خاقانِ نام آور کھلا

تم کرو صاحب قرانی جب تلک
ہے طلسمِ روز و شب کا در کھلا

در صفت انبہ

ہاں دلِ دردمند زمزمہ ساز / کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز
خامے کا صفحے پر رواں ہونا / شاخِ گل کا ہے گل فشاں ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھیے / نکتہ ہائے خرد فزا لکھیے
بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے / خامہ نخلِ رطب فشاں ہو جائے
آم کا کون مردِ میداں ہے / ثمر و شاخ گوئے و چوگاں ہے
تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں / آئے یہ گوئے اور یہ میداں
آم کے آگے پیش جاوے خاک / پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک
نہ چلا جب کسی طرح مقدور / بادۂ ناب بن گیا انگور
یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے / شرم سے پانی پانی ہونا ہے
مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے / آم کے آگے نیشکر کیا ہے
نہ گل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار / جب خزاں آئے تب ہو اس کی بہار
اور دوڑائیے قیاس کہاں / جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں

جان میں ہوتی گر یہ شیرینی / کوہکن باوجود غمگینی
جان دینے میں اس کو یکتا جان / پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان
نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر / کہ دواخانۂ ازل میں مگر
آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام / شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام
یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے / باغبانوں نے باغِ جنت سے
انگبیں کے بحکمِ رب الناس / بھر کے بھیجے ہیں سر بمہر گلاس
یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات / مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات
تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل / ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل

٦٣

آدم کو دیکھتا اگر یک بار
پھینک دیتا طلائے دست افشار

رونقِ کارگاہِ برگ و نوا
نازشِ دودمانِ آب و ہوا

رہروِ راہِ خلد کا توشہ
طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ

صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم
ناز پروردۂ بہار ہے آم

خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو
نوبرِ نخلِ باغِ سلطاں ہو

وہ کہ ہے والیِ ولایتِ عہد
عدل سے اس کی ہے حمایتِ عہد

فخرِ دیں عزِ شان جاہ و جلال
زینتِ طینت جمال و کمال

کار فرمائے دین و دولت و بخت
چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت

سایہ اس کا ہما کا سایہ ہے
خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے

اے مفیضِ وجودِ سایہ و نور
جب تلک ہے نمودِ سایہ و نور

اس خداوندِ بندہ پرور کو
وارثِ گنج و تخت و افسر کو

شاد و دل شاد و شادماں رکھیو
اور غالب پہ مہربانی رکھیو

قطعات

اے شہنشاہِ فلک منظرِ بے مثل و نظیر
اے جہاندارِ کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل

پاؤں سے تیرے ملے فرقِ ارادت اورنگ
فرق سے تیرے کرے کسبِ سعادت اکلیل

تیرا اندازِ سخن شانۂ زلفِ الہام
تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل

تجھ سے عالم پہ کھلا رابطۂ قربِ کلیم
تجھ سے دنیا میں بچھا مائدۂ بذلِ خلیل

بہ سخن اوج دہ مرتبۂ معنی و لفظ
بہ کرم داغ نہ ناصیۂ قلزم و نیل

تا ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی توفیر
تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل

ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر
زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل

تیری دانش مری اصلاحِ مفاسد کی رہین
تیری بخشش مرے انجاحِ مقاصد کی کفیل

تیرا اقبالِ ترحم مرے جینے کی نوید
تیرا اندازِ تغافل مرے مرنے کی دلیل

بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں
چرخِ کج باز نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذلیل

پیچھے ڈالی ہے سرِ رشتۂ اوقات میں گانٹھ
پہلے ٹھونکی ہے بنِ ناخنِ تدبیر میں کیل

۶۴

تپشِ دل نہیں بے رابطۂ خوفِ عظیم
کششِ دم نہیں بے ضابطۂ جرِّ ثقیل

درِ معنی سے مرا صفحہ لقا کی ڈاڑھی
غمِ گیتی سے مرا سینہ عمر کی زنبیل

فکر میری گہر اندوزِ اشاراتِ کثیر
کلک میری رقم آموزِ عباراتِ قلیل

میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدق توضیح
میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش تفصیل

تنگ ہوتی میری حالت تو نہ دیتا تکلیف | جمع ہوتی میری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

قبلۂ کون و مکاں خستہ نوازی میں یہ دیر
کعبۂ امن و اماں عقدہ کشائی میں یہ ڈھیل

ایضاً

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری | کیا کرتی تھی تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے

بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ
قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہمنشیں | اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے
وہ سبزہ زار ہائے مطرا کہ ہے غضب | وہ نازنیں بتان خود آرا کہ ہائے ہائے
صبر آزما وہ انکی نگاہیں کہ حف نظر | طاقت ربا وہ انکا اشارہ کہ ہائے ہائے

وہ میوہ ہائے تازۂ شیریں کہ واہ واہ
وہ بادہ ہائے ناب گوارا کہ ہائے ہائے

در مدح ڈلی

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی | زیب دیتا ہے اسے جسقدر اچھا کہیے
خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے | ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے
مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھیے | حرز بازوئے شگرفان خود آرا کہیے
مسی آلودہ سر انگشت حسیناں لکھیے | داغ طرف جگر عاشق شیدا کہیے
خاتم دست سلیماں کے مشابہ لکھیے | سر پستان پری زاد سے مانا کہیے
اختر سوختۂ قیس سے نسبت دیجے | خال مشکین رخ دلکش لیلا کہیے

حجر الاسود دیوار حرم کیجے فرض
نافہ آہوئے بیابان ختن کا کہیے
وضع میں اسکو اگر سمجھیے قاف تریاق
رنگ میں سبزۂ نوخیز مسیحا کہیے
صومعے میں اسے ٹھہرائیے گر مہر نماز
میکدے میں اسے خشت خم صہبا کہیے
کیوں اسے قفل در گنج محبت لکھیے
کیوں اسے نقطۂ پرکار تمنا کہیے
کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیجے

کیوں اسے مردمک دیدۂ عنقا کہیے
کیوں اسے تکمۂ پیراہن لیلا کہیے
کیوں اسے نقش پئے ناقۂ سلما کہیے
بندہ پرور کے کف دست کو دل کیجے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

قطعہ

نہ پوچھ اسکی حقیقت حضور والا نے
مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی

نہ کہاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر
جو کہاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

بیان مصنف

منظور ہے گزارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے
سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے
آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
استاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
جام جہان نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
مین کون اور ریختہ ہان اس سے مدعا
جز انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے
سہرا لکہا گیا ز رہ امتثال امر
دیکہا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہیں جنون نہیں وحشت نہیں مجھے
قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہون اپنے قول مین غالب خدا گواہ
کہتا ہون سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

مدح

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے
تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے
گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
رونق بزم مہ و مہر تری ذات سے ہے
اور مین وہ ہون کہ گر جی مین کبھی غور کرون
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے
خستگی کا ہو بھلا جسکے سبب سے سر دست
نسبت اک گونہ مرے دلکو ترے ہاتھ سے ہے

خستگی کا ہو بھلا جسکے سبب سے سر دست
نسبت اک گونہ مرے دلکو ترے ہاتھ سے ہے
ہاتھ مین تیرے رہے توسن دولت کی عنان
یہ دعا شام و سحر قاضی حاجات سے ہے
تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا
گو شرف خضر کی بھی مجھکو ملاقات سے ہے
اس پہ گزرے نہ گمان ریو و ریا کا زنہار
غالب خاک نشین اہل خرابات سے ہے

ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو
رکھ دیں چمن مین بھر کے مے مشک بو کی ناند
جو آئے جام بھر کے پیے اور ہو کے مست
سبزے کو روندتا پھرے پھولون کو جائے پھاند
غالب یہ کیا بیان ہے بجز مدح پادشاہ
بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشتہ خواند
بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلے حضور مین
ہے جنکے آگے سیم و زر مہر و ماہ ماند

یوں سمجھو کہ بیچ سے خالی کیے ہوئے
لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند

در مدح شاہ

اے شاہ جہانگیر جہاں بخش جہاندار
ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت
جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو
تو وا کرے اس عقدے کو سو بھی باشارت
ممکن ہے کرے خضر سکندر سے ترا ذکر
گر لب کو نہ دے چشمۂ حیواں سے طہارت
آصف کو سلیماں کی وزارت سے شرف تھا
ہے فخر سلیمان جو کرے تیری وزارت
ہے نقش مریدی ترا فرمان الٰہی
ہے داغ غلامی ترا توقیع امارت
تو آب سے گر سلب کرے طاقت سیلان
تو آگ سے گر دفع کرے تاب شرارت
ڈھونڈے نہ ملے موجۂ دریا میں روانی
باقی نہ رہے آتش سوزاں میں حرارت
ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں توغل
ہے گرچہ مجھے سحر طرازی میں مہارت
کیونکر نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر
قاصر ہے ستائش میں تری میری عبارت
نوروز ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں
نظارگی صنعت حق اہل بصارت

تجھ کو شرف مہر جہانتاب مبارک
غالب کو ترے عتبۂ عالی کی زیارت

قطعہ

افطار صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو
اس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

گزارش مصنف بحضور شاہ

اے شہنشاہ آسمان اورنگ
اے جہاندار آفتاب آثار
تھا میں اک بے نوائے گوشہ نشین
تھا میں اک دردمند سینہ فگار
تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
ہوئی میری وہ گرمی بازار
کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز
روشناس ثوابت و سیار
گرچہ از روئے ننگ بے ہنری

۶۷

ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار
کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی
جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں
بادشہ کا غلام کار گزار
خانہ زاد اور مرید اور مداح
تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر
نسبتیں ہو گئیں مشخص چار

قطعات

سیہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے
جہان مین جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے
کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے

قطعہ ۳

سہل تھا مسہل ولے یہ سخت مشکل آ پڑی
مجھ پہ کیا گزرے گی اتنے روز حاضر بن ہوئے
تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد
تین مسہل تین تبریدین یہ سب کتنے ہوئے

۲۸

قطعہ تاریخ

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی
ہوا بزم طرب مین رقص ناہید
کہا غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے
تو بولا انشراح جشن جمشید

نہ کہون آپ سے تو کس سے کہون
مدعائے ضروری الاظہار
پیر و مرشد اگرچہ مجھکو نہین
ذوق آرایش سر و دستار
کچھ تو جاڑے مین چاہیے آخر
تا نہ دے باد زمہریر آزار
کیون نہ درکار ہو مجھے پوشش
جسم رکھتا ہون ہے اگرچہ نزار
کچھ خریدا نہین ہے اب کے سال
کچھ بنایا نہین ہے اب کی بار
رات کو آگ اور دن کو دھوپ
بھاڑ مین جائین ایسے لیل و نہار
آگ تاپے کہان تلک انسان
دھوپ کھاوے کہان تلک جاندار
دھوپ کی تابش آگ کی گرمی
وقنا ربنا عذاب النار
میری تنخواہ جو مقرر ہے
اسکے ملنے کا ہے عجب ہنجار
رسم ہے مردے کی چھ ماہی ایک
خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
مجھکو دیکھو تو ہون بقید حیات
اور چھ ماہی سال مین دو بار
بسکہ لیتا ہون ہر مہینے قرض
اور رہتی ہے سود کی تکرار
میری تنخواہ مین تہائی کا
ہو گیا ہے شریک ساہوکار
آج مجھسا نہین زمانہ مین
شاعر نغز گوئی خوش گفتار
رزم کی داستان گر سنئے
ہے زبان میری تیغ جوہردار
بزم کی التزام گر کیجئے
ہے قلم میری ابر گوہربار
ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد
قہر ہے گر کرو نہ مجھکو پیار
آپ کا بندہ اور پھرون ننگا
آپ کا نوکر اور کھاون ادھار
میری تنخواہ کیجئے ماہ بماہ
تا نہ ہو مجھکو زندگی دشوار
ختم کرتا ہون اب دعا پہ کلام
شاعری سے نہین مجھے سروکار
تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

قطعہ تاریخ دیگر

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی ۔ ہوا بزمِ طرب میں رقص ناہید
کہا غالب سے تاریخ اسکی کیا ہے ۔ تو بولا انشراحِ جشنِ جمشید

قطعہ ۵

گو ایک بادشاہ کی سب خانہ زاد ہیں ۔ دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام ۔ اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

رباعیات

بعد از اتمامِ بزمِ عیدِ اطفال ۔ ایامِ جوانی رہے ساغر کش حال
آپہنچے ہیں تا سوادِ اقلیمِ عدم ۔ اے عمرِ گذشتہ یک قدم استقبال

ایضاً

شب زلف و رخِ عرق فشاں کا غم تھا ۔ کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک ۔ ہر قطرۂ اشک دیدۂ پرنم تھا

ایضاً

آتشبازی ہے جیسے شغلِ اطفال ۔ ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال
تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی ۔ لڑکوں کے لیے گیا ہے کیا کھیل نکال

ایضاً

دل تھا کہ جو جانِ دردِ تمہید سہی
بیتابیٔ رشک و حسرتِ دید سہی
ہم اور فسردن اے تجلی افسوس
تکرار روا نہیں تو تجدید سہی

ایضاً

ہے خلق حسد قماش لڑنے کے لیے
وحشت کدۂ تلاش لڑنے کے لیے
یعنی ہر بار صورتِ کاغذِ باد
ملتے ہیں یہ بدمعاش لڑنے کے لیے

ایضاً

دل سخت نژند ہو گیا ہے گویا
اس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا
پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں
غالب منہ بند ہو گیا ہے گویا

دیکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب ۔ دل ترک کر بند ہو گیا ہے غالب
واللہ شب کو نیند آتی ہے نہیں ۔ سونا سوگند ہو گیا ہے غالب

ایضاً

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل ۔ سن سن کے اوسے سخنوران کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش ۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

ایضاً

ہے ہی ہے جو کہ شاہ جم جاہ نژاد ۔ ہے لطف و عنایات شہنشاہ پہ دال
پیدا ہے شمر دال سکت و جدال ۔ ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

ایضاً

ہیں شہ میں صفات ذوالجلالی باہم ۔ آثار جلالی و جمالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں سافل و عالی باہم ۔ ہے اب کی شب قدر و دوالی باہم

ایضاً

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے ۔ تا شاہ شیوع دانش و داد کرے
یہ دے جو گئی ہے رشتۂ عمر میں گانٹھ ۔ ہے صفر کہ افزایش اعداد کرے

ایضاً

اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا ۔ اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا
ہر سینکڑہ کو ایک گرہ فرض کریں ۔ ایسی گرہیں ہزار ہوں بلکہ سوا

ایضاً

ہستی ہیں کہ امید مروم آزار ہیں ہیں
عشاق کی پرستش سے اوسی کا ر ہیں
جو ... ظلم سے اوٹھایا ہوگا
کیونکر ہا ہوں کہ اُسمیں [illegible] ہیں

ایضاً

[illegible]

ایضاً

[illegible]

روزہ میرا ایمان ہے غالب لیکن | خسخانہ و برف آب کہاں سے لاؤں

ایضاً

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے | بھیجے ہیں جو ارمغان شہ والا نے
گن کر دیوینگے ہم دعائیں سو بار | فیروزہ کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

ختم الطبع

خدا کا شکر ہے کہ اردو دیوان حضرت
غالب دہلوی مطبع العلائی باہتمام
... بخش بازار سیب آگرہ

غزل سمند شوق مولوی ضامن دہلوی

بس بیا بیا کہ سراسر نگہبان تو ہے کنفش یار | بعین عجلت ہوں ساں ہجران سیار ...
اسے ... | ...

چلو تا میرا ... سیار ... اجی
ملو تا میرا منظور سیار ... اجی

در عشق ستم ... | ...

[illegible]

ایضاً

یاد و ہی ہی پیلوں ہاتھیں بھر وگی
ہیں ... دیو است ... ہی

بیٹھے ہی سمند دوں تو ہی تا عمری و یار گا
اے شہر ضرا ب کوئی فریاد ... ضامن
دریا ... امواج ... کشتی ...
... مرجان ... بیٹا ...

سیری ادہر میں ڈوبی تاڑ طوفان بلا | سیان سے نہ میری خبر نہ لیتی جی

اد عرق اس کہر دیں تو مراد از جوش یہ
ڈوبیت گوت یار لگی دریا و سمندر رہا
ای یار خدا امید بر آتا وصل شفو چادنان
اب پا لگکہا سو بہی جیو ای بہر کرم دریا

سیری ادہر میں ڈوبی تاو | سیان تو میری خبر نہ لیتی جی

خود مالک ملک فنا تھا اسے شہر الٰہ خدا
دیکھا زمینا مشکل کشتا دیکھ ہم ادراز
تجہ کو تجہ سے اب کہہ لیا کس بیکن رنج جی
حیرت حیران کیا کہہ رہی رہا جلد بسی

سو تا میرا جی یاد تی بسیارا | کرنا تجہ سے جی کتا رہ جیا

سیں چارنا چار آچا رہ گر نگران شعور شمشیر
دریا چہا جینا جینا مو اے ہم گہر دو سا ہم
دو جلد خبر جلد بسیری ای شاہ نجف سو لا
حسینی کا تہہ لیوسا ای دل جانان نبی

علی جی سنتے میری جان بیچ | علی جی تو میرا بیستا ہی

بیچ وشم دریا فنا کشون گہر تر اسد
غوا اس بیری بکر بہتہ گہر یا لیس الد دانا
وہ چہر نگر نہ لیا کو میرے دریا فنا میں
دریا جیر ہے دریا جہا ہر لیو لیا کہ باد دنیا
دریا فنا میں ہو فنا دیکھے جو لگ ایک سیب
سو قی مل پر یول کہر اسد نگار تا تجہ بین کا

اب | ابھی میری جانی میں سہاگ | سیان کی بیت مشکل بنائی جی

اب ہفت طبق نزد اسیکہ دو رخ دگر ادما فنا
اریا بیر فنا جیسا تجہا اکیر اسد خدا
اس نیا لیس ایک شاہ میرا میں بیچ ولاد کر
ملنے کی ہوئی جیب میں ہو سجھ بیت شیر
ڈہونڈتا ہوندت ہو ہی ای تجہ دیار نگا
جیتیا لگی دو یا دات ہونکا شاد ہبیا گیا
سب ہول گئی میں پہلے بہت جب دلی جیسی
لگا تو ایک بیدا مقر ہوا کیا فرق یا کوئی دہر

ابھی میرے جا سکے بہت سہاگ
۱۱۶۲۵ سیان کی بیت توشگن بنائی جی

تمام شد